موجودہ آڑھتی نظام کی خرابی کے بیان
اور اس کے حل پر لکھی جانے والی پہلی اور جدید تحقیق

آڑھتی نظام

کی خرابی اور اس کا حل

از قلم

استاذ العلماء مفتی ضمیر احمد مرتضائی حفظہ اللہ تعالیٰ
فاضل جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور
متخصص فی الفقہ الاسلامی جامعہ نعیمیہ گڑھی شاہو، لاہور

مسلم کتابوی لاہور

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ (النساء:۲۹)

''اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مالوں کو ناحق طریقے سے نہ کھاؤ۔''

موجودہ آڑھتی نظام کی خرابی کے بیان
اور اس کے حل پر لکھی جانے والی پہلی اور جدید تحقیق

موسوم بہ

آڑھتی نظام کی خرابی اور اس کا حل

قرآن و حدیث اور ائمہ محدثین و فقہاء کرام کی تشریحات کی روشنی میں
آڑھتی نظام کی خرابی کی وجوہات کے ساتھ ساتھ موجودہ صورت میں ہی
اس کا ممکنہ حل بھی بیان کیا گیا ہے

از قلم
استاذ العلماء **مفتی ضمیر احمد مرتضائی** حفظہ اللہ تعالیٰ
فاضل جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور
متخصص فی الفقہ الاسلامی جامعہ نعیمیہ گڑھی شاہو، لاہور

مسلم کتابوی
دربار مارکیٹ، گنج بخش روڈ، لاہور 042-37225605
Email:muslimkitabevi@gmail.com

نام کتاب : آڑھتی نظام کی خرابی اور اس کا حل
از قلم : مفتی ضمیر احمد مرتضائی مدظلہ العالی
کمپوزنگ : عبدالرحمٰن انور
صفحات : 72
سال اشاعت : محرم الحرام ۱۴۳۶ھ مطابق 2014ء
پرنٹرز : یاسر پرنٹرز بلال گنج لاہور
تعداد : گیارہ صد
ناشر : مسلم کتابوی لاہور
قیمت : -/70 روپے

ملنے کے پتے

والضحیٰ پبلشرز، دربار مارکیٹ، لاہور
مسلم کتابوی، گنج بخش روڈ، دربار مارکیٹ، لاہور
مکتبہ مرتضائیہ قلعہ شریف ڈاکخانہ ناظر لبانہ تحصیل شرقپور ضلع شیخوپورہ
دارالنور، کچا رشید روڈ، لاہور
نظامیہ کتاب گھر، اردو بازار لاہور
نعیمیہ بک سٹال، اردو بازار لاہور
مکتبہ اہلسنت، جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

انتساب

حضور شیخ المشائخ محقق و مدقق، مناظر اسلام، امام العاشقین، برہان الواصلین

حضرت خواجہ عالم

پیر غلام مرتضیٰ فنافی الرسول رضی اللہ عنہ

اور ان کے لخت جگر، نور نظر، حامل علم لدنی، مادرزاد ولی اللہ، مردِ حق، مناظر اسلام

شیخ الفقہاء والمحدثین استاذ العلماء

فضیلۃ الشیخ حضرت خواجہ عالم

پیر نور محمد مرتضائی فنافی الرسول رضی اللہ عنہ

اور ان کے خلف الرشید، شاگردِ حمید، علوم مرتضائیہ کے امین پروردہ آغوشِ ولایت

حضور فضیلۃ الشیخ قبلہ جہاں حضرت علامہ و مولانا

میاں نذیر احمد نقشبندی مرتضائی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

کے نام

جن کی نظر عنایت اور فیضان کامل سے اس ادنیٰ خاکسار کو

دین متین کی خدمت کا موقع میسر آیا۔

(والحمد للہ علی ذلک)

اهداء

بندہ اس کاوش کو اپنے والدین اور تمام اساتذہ کے لیے ھدیہ تبریک پیش کرتا ہے۔

خصوصاً

استاذ العلماء فقیہ کبیر شیخ الفقہ والحدیث مرجع الفضلاء، فخر المدرسین

حضرت علامہ و مولانا **مفتی محمد عبد العلیم سیالوی** حفظہ اللہ تعالیٰ دامت برکاتہم العالیہ

صدر مدرس و شیخ الحدیث جامعہ نعیمیہ گڑھی شاہو لاہور

اور

جامع المعقول والمنقول استاذ العلماء شیخ الحدیث والتفسیر حافظ الملۃ والدین

حافظ عبد الستار سعیدی صاحب دامت برکاتہم العالیہ

(شیخ الحدیث و ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور)

گر قبول افتد زہے عز و شرف

فقط

ضمیر احمد مرتضائی غفرلہ الباری

فہرست

صفحات

ابتدائیہ

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر مسلمان کیلئے حلال وحرام کو بیان فرمایا دیا ہے۔اب ہمیں اس بات کا فیصلہ کرنا ہے کہ ہم نے کس راہ پر چلنا ہے۔اللہ تعالیٰ رزق حلال ہی عطا فرماتا ہے آگے ہم اسے اپنے عمل سے حرام کر لیتے ہیں۔رزق حلال کے لقمہ سے ہی انسان مستجاب الدعوات بنتا ہے۔علم دین اس کا مقدر ہو جاتا ہے بارونق اور خوش وخرم زندگی اس کیلئے محبتوں کا پیغام لاتی ہے۔حسد وکینہ کی لعنت سے رزق میں کمی،بیماری اور علم دین کی نعمت سے محرومی سب حرام کھانے کی نحوست ہے۔آج کل لوگ ایک عام پریشانی میں نظر آتے ہیں اور ہر دوسرا تیسرا بندہ اس بیماری اور لعنت میں مبتلا دکھائی دیتا ہے۔جسے "جادو" کہتے ہیں۔حلال رزق کھانے والے پر جادو اور اس طرح کے دوسرے مصائب اسکی اَبدی زندگی کو بڑھانے اور قبر وحشر کی سختیوں کو دور کرنے اور جنت میں بلند درجہ عطا کرنے کیلئے ہوتا ہے۔ورنہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ جادو کا ٹھکانہ حرام کمائی کرنے والوں کے گھر ہی بنا۔اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو خرید وفروخت کا دستور بتایا ہمیں انہیں طریقوں اور اصولوں پر اپنی معیشت کے نظام کو چلانا ہوگا۔ایک بزرگ فرمایا کرتے تھے "ہمیں بس شریعت کے راستوں پر چلتے رہنا چاہیے خواہ وہ بات ہماری سمجھ میں آئے یا نہ آئے کیونکہ یہ بات سچی ہے کہ دین اسلام دین فطرت ہے۔اس کی ہر بات سمجھ آسکتی ہے لیکن ہر بات ہر سمجھ میں نہیں آسکتی"۔آج سودی کاروبار کونت نئے ناموں سے پیش کیا جارہا ہے۔

بڑے بڑے تجزیہ نگار پرنٹ اور الیکٹرونک میڈیا پر عقلی باتوں سے لوگوں کو سود اور

سنا کر سادہ لوح افراد کیلئے سود کھانے اور ناجائز کاروبار کی راہیں ہموار کر رہا ہوتا ہے اور کوئی لکی کمیٹی بولی کمیٹی اور لکی جہیز کمیٹی ایسے حرام تجارتی کمیٹیوں سے مسلمانوں کو سہولت فراہم کرنے کی ناکام کوشش میں ہوتا ہے۔بس آج دور خود کو محفوظ رکھنے اور اپنے دین اسلام کو قبر تک سنبھال کر لے جانے کا ہے۔اللہ تعالیٰ ہمیں اپنا نظام معیشت شرعی قوانین کے مطابق ڈھالنے کی توفیق دے اور اس آڑھتی نظام کے مسئلہ میں حلال کھانے کا جو بھی طریقہ بتایا گیا ہے اس پر عمل پیرا ہونے کی توفیق دے نیتوں میں جو بھی ہو شریعت کا حکم ظاہر پر لگتا ہے۔اللہ تعالیٰ ہمارا ظاہر و باطن دین مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق فرمادے۔

آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

فقط

ابوالحسن محمد

الشہیر

ضمیر احمد مرتضائی غفرلہ الباری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

استفتاء

کیا فرماتے علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہمارے یہاں کچھ آڑھت کا نظام اس طرح ہے کہ بائع (بیچنے والا) یعنی زمیندار و مشتری یعنی خریدنے والے آڑھتی کو گندم یا چاول تو دے دیتا ہے اور کہتا ہے کہ گندم یا چاول کا ریٹ اس وقت کے اعتبار سے ہوگا جب میں تم سے پیسے لوں گا۔

کیا ایسی خرید وفروخت جائز ہے جسمیں وقتی طور پر ریٹ طے نہ کیا جائے یا جسمیں پیسے ادا کرنے کی مدت بیان نہ کی جائے؟

جبکہ بائع مشتری آپس میں اس معاملہ پر راضی ہیں نیز اب ہمارا یہ عرف بن چکا ہے۔ اور گندم وغیرہ بیچنے والے کو یہ مجبوری بھی درکا ہوتی ہے کہ وہ آڑھتیوں سے اس وقت پیسے لے کر اپنے آئندہ پیداوار کے معاملہ میں صرف کر سکتے ہیں اگر ایسا نہ کریں اور فی الفور قیمت اسکی مقرر کر دیں اور جب گندم، چاول اس کو دیں ساتھ ہی ریٹ طے کرلیں تو مہنگائی کے اس بڑھتے ہوئے طوفان میں جب وہ آڑھتی سے طے شدہ ریٹ کے مطابق آئندہ کاشتکاری کیلئے پیسے لیں گے تو اس سے وہ نہ تو اگلی پیدوار کا صحیح معنوں میں خرچہ پورا کر سکتے ہیں اور نہ ہی اپنے روزمرہ کے اخراجات کو پورا کر سکتے

ہیں۔ کیا ہمارا یہ عمل جائز ہے یا نہیں؟

براہ کرم: ہمیں قرآن وحدیث اور فقہاء کرام کی نصوص سے اس مسئلہ کا حل تلاش کر کے دیں اور اگر ہمارا طریقہ درست ہے تو ہم اسے جاری رکھنے کا حکم یقین سے دے سکتے ہیں؟ اور اگر یہ طریقہ ناجائز ثابت ہوتا ہے تو ہمیں ایسا درست طریقہ بتا دیجیے کہ کسان اور زمیندار حضرات معیشت اور نان نفقہ کا بہتر حل نکال سکیں۔ اور ان کا نظام چلتا رہے۔

بینوا توجروا

سید صداقت علی شاہ مرتضائی
خطیب جامع مسجد علم دین عیسن شریف
جڑانوالہ روڑ نزد شرقپور شریف
۷/۱/۲۰۱۰ء

الجواب

الحمد لله الذی کرم علی المومنین بشراء أنفسهم وأموالهم بعوض الجنة والصلوة والسلام اجلا وعاجلا علی النبی الذی دعالنا بالرحمة وعلی اله واصحابه الذین قاموا بنصرة الدین القائمة وعلی الائمة المجتهدین الباقین الی اجلٍ مسمّی من الأمة المسلمة

امابعد، فیاخسارة نفسی فی تجارتها
لم تشترالدین بالدنیا ولم تسم
ومن یبع آجلا منه بعاجله
یبن له الغبن فی بیع وفی سلم
(بوصیری علیہ الرحمہ)

✿✿✿✿✿

اللہ تعالیٰ کا صد ہا شکر ہے کہ معالات میں حق کو سمجھنے والے لوگ آج بھی موجود ہیں اور محبت رسول ﷺ میں علم علماء اور سچے لوگوں کا دامن تھامتے ہوئے بندہ ناچیز کو اللہ تعالیٰ مسئلہ لکھنے کی توفیق حق عطا فرمائے۔ آمین

صورت مسئولہ کا اجمالی جواب یہ ہے کہ ایسی خرید وفروخت درست نہیں جسمیں ریٹ وقتی طور پر طے نہ کیا جائے اگر ایسی خرید وفروخت کرلی ہے تو اسے فسخ کرنا ضروری ہے کیونکہ یہ بیع فاسد ہے اگرچہ ریٹ کی تعیین مجلس کے مکمل ہونے کے بعد کرلی ہو بہر حال اس بیع کا فساد بالاجماع متقرر ہوگیا ہے اب فسخ بیع سے ہی یہ فساد اٹھے گا۔ اگر ریٹ طے کرلیا ہے لیکن

بیع کرتے وقت پیسے ادا کرنے کی مدت مجہول رکھی تو جہالت کثیر سے وہ خرید وفروخت بھی فاسد ہوتی ہے، اور جو عُرف آپ نے سوال میں بتایا یہ عرف حجت نہیں کیونکہ خلافِ نص عرف حجت نہیں ہوتا، اور جو مجبوری اس ناجائز کام کرنے کی بتلائی گئی ہے اگر اس مجبوری سے واقعتہ ایسی حالت ہونا مراد ہے کہ بالکل مسکینی اور فقیری کے درجہ پر آپہنچا اور قُوتِ لایموت بھی نہیں رکھتا۔ تو خاص ایسی حاجت میں بندہ کو خنزیز مردار کھانے کی بھی گنجائش دی گئی ہے چہ جائیکہ اس ناجائز پر عمل کرے، اور ناجائز عمل پر بائع (بیچنے والا) اور مشتری (خریدنے والا) راضی ہوں تو یہ جواز کی دلیل نہیں، اور ثمن (خریداری میں طے ہونے والا ریٹ) طے نہ ہونے کی صورت میں جب یہ بیچنا ہی نہیں تو قبضہ کیے ہوئے مال کو قرض سمجھتے ہو تو اس پر نفع لینا دینا حرام اور اگر امانت سمجھتے ہو تو ہلاکتِ امانت پر تاوان نہیں اور امانت میں بلا اجازت تصرف بھی ناجائز ہے۔

جواب کی تفصیل

قرآن مجید میں خرید وفروخت کا بیان ثمن (ریٹ) اور عوض کی صراحت کیساتھ

وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ (یوسف:۲۰)
اور بھائیوں نے اسے کھوٹے داموں، گنتی کے روپے پر بیچ ڈالا۔

ههنا تمسك بعضهم أن بيع الحر باطل وهكذ وقع عليه الاجماع وهو معروف

یعنی بعض علماء نے اس مقام پر استدلال کیا ہے کہ آزاد کی خرید وفروخت باطل ہے اور اسی طرح اس پر اجماع امت ہے جیسا کہ مشہور ہے۔ [1]

[1] التفسیرات احمدیہ ص ۴۸۶ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ

اس کریہ کریمہ سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ شراء یعنی خرید وفروخت کیساتھ قیمت اور ریٹ کا ذکر ضروری ہے۔ کیونکہ ملا احمد جیون اور دیگر مفسرین کرام علیہم الرحمہ کا مذکورہ آیت سے بیع الحر باطل آزاد کی خرید وفروخت باطل ہونے سے بیع وشراء کے باقی معاملات اور لوازمات سمجھے جاسکتے ہیں۔

لہٰذا مذکورہ آیات میں ثمن اور قیمت کی صراحت سے ہمیں یہ حکم ملتا ہے کہ ہم اپنی خرید وفروخت میں قیمت کو مجہول نہ رکھیں کہ کہیں یہ جھگڑے کا سبب نہ بن جائے۔ اگر حقیقت بیع کو دیکھنا ہو تو لفظ بیع سے ہی دیکھی جاسکتی ہے۔

"لویس معلوف" اپنی عربی لغت کی مشہور کتاب "المنجد" میں لکھتا ہے۔

بَاعَ..بیعاً: اعطاہ الکتاب وأخذ منه الثمن او بالعکس

یعنی بیع کا لفظ بَاعَ یَبِیْعُ بیعاً سے ہے جس کا معنٰی ہے فلاں نے فلاں کو کتاب دی اور اس سے ثمن لے لیے یا کتاب خریدی اور ثمن دے دیے۔

اور اصطلاح میں بھی ایسا ہی معنٰی ہے۔

اَلْبَیْعُ (ت): بذل الثمن وأخذ الثمن وأخذ الثمن وبذل الثمن وهو من الاضداد نحو بعته هذا الثوب أی أعطیته أیاه وأخذت ثمنه وبعته هذا الثوب أی اشتریتهٗ منه وأعطیته ثمنهٗ

یعنی بیع کہتے مُثَمَّن (یعنی سودا یا جس کو سودا سامان بنالیا گیا) کو خرچ کرنا اور ثمن لینا یا مثمن لینا اور ثمن خرچ کرنا اور یہ لفظ از قبل اضداد ہے جیسے بعتهٗ هذا الثوب یعنی میں نے یہ کپڑا فلاں کو دیا اور اس سے اس کے عوض قیمت لے لی اور بعتهٗ هذا الثوب (ہی جملہ بولا جاتا ہے لیکن اس میں بالعکس معنٰی مراد لیا جاتا ہے) یعنی میں نے اس سے یہ کپڑا خریدا اور

اسکے عوض اس کی قیمت ادا کی۔ [۱]

ابو حبیب اپنی کتاب "القاموس الفقہی" میں رقمطراز ہیں:

بَاعَ فُلاناً الشیء وباعه مِنه ولَهُ... بیعاً ومَبِیْعًا: أعطاہ ایاہ بثمنٍ

یعنی فُلاں نے فلاں کو ایک چیز بیچی اور اس نے وہ چیز اس سے بیچی یا خریدی اور اس کیلئے بیچی۔) یہ لغت میں الفاظ بول کر مراد لیا جاتا ہے کہ) فلاں نے اسکو فلاں ثمن اور قیمت کے بدلے دی۔

اور ذرا آگے لکھتے ہیں:

البیع: السّلعة، ج بیوع. اعطاہ الثمن وأخذ الثمن

یعنی بیع کی اضافت (سلعۃ) سامان کی طرف ہو تو معنٰی ہوگا فلاں نے اس کو مثمن (سامان) دیا اور قیمت لی۔ [۲]

سو حقیقت بیع نکھر کر سامنے آگئی کہ جسمیں بیچنے والا خریدنے والے سے مال کے عوض معین قیمت لے، اور جب بیع کا انعقاد اور صحت، معین کرنے سے ہے تو رب تبارک وتعالیٰ نے بیع کو حلال کیا ہے جو لین دین میں اصول بیع سے نہیں اس کو سود کی طرح حرام فرمایا ہے۔ فرمایا چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ (البقرۃ:۲۷۵)

"اور اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال کیا اور سود کو حرام کیا۔"

اس آیہ کریمہ میں بیع کو حلال فرمانے کا ارشاد ہے اور سود چونکہ بیع نہیں ہے نقصان اٹھانے یا نقصان پہنچانے کا سبب ہے۔ پھر معاملہ اس سودی ضرر سے جھگڑے تک جا پہنچتا

[۱] المنجد العربی، ص:۵۶، ۵۷، مطبوعہ موسسہ انتشارات دار العلم

[۲] القاموس الفقہی ص ۴۴، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی

ہے تو جو بیع ہے وہ حلال ہے اور جو بیع کی تعریف و اصول سے خارج لین دین ہے اس کا عقد کرنا سود کی طرح ناجائز عمل ہے۔

اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے جہاں باہمی رضامندی سے تجارت کا حکم دیا اس سے پہلے ناحق طریقے سے کھانے کے بارے منع فرمایا۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ (سورۃ النساء:29)

"اے ایمان والو: آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق طریقے سے نہ کھاؤ مگر یہ کہ کوئی سودا تمہاری باہمی رضامندی کا ہو۔"

اور بیع میں ثمن مقرر نہ کرنا بھی ایک باطل طریقہ ہے لہٰذا یہ بھی ناجائز عمل ہے اور اس آیہ کریمہ کے تحت علامہ ابن عربی علیہ الرحمہ نے "احکام القرآن" میں کئی ایک فاسد اور باطل بیوع کا بیان فرمایا ہے۔

لغت عرب اور دستور مسلمین سے بیع کا طریقہ ثمن کو ذکر کرنے میں ہے۔ مجہول خرید و فروخت کرنے میں نہیں۔

خرید و فروخت میں قیمت کی تعیین اور احادیث مبارکہ:

امام بخاری علیہ الرحمہ متوفی ۲۵۶ھ بخاری شریف میں اس عنوان پر باب باندھتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

باب: صاحب السلعة أحق بالسَّوم

(سامان والا ریٹ معین کرنے کا زیادہ حق رکھتا ہے)

1- حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ ثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ عَنْ أَبِي التَّيَّاحِ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ يَا بَنِي

النَّجَّارِ ثَامِنُونِي بِحَائِطِكُمْ وَفِيهِ خِرَبٌ وَنَخْلٌ۔

یعنی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب مسجد نبوی تعمیری مراحل میں تھی "اے بنی نجار! اپنے باغ کا ریٹ بتاؤ قیمت کی مقدار معین کرو اور باغ میں ویرانہ اور کھجور کے درخت تھے۔

بخاری شریف کے اسی مقام پر محدث احمد علی سہارنپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ "أحق بالسَّوم" پر حاشیہ لکھتے ہوئے رقمطراز ہیں:

قوله أحق بالسوم بفتح المهملة وسكون المهملة اي احق بذكر قدر الثمن ولذا قال صلى الله عليه وسلم ثَامِنُونِي اي قدروا ثمن حائطكم، ثامنه بكذا اي قدر معه الثمن والسوم معناه تعيين الثمن ١٢ ك، ع

یعنی امام بخاری علیہ الرحمہ کا "أحق بالسَّوم" فرمانے کا مطلب و معنیٰ ہے ثمن و قیمت کی مقدار کے ذکر کا زیادہ حق سامان والے کو ہے، اسی وجہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ثَامِنُونِي یعنی اپنے باغ کی قیمت بیان کرو کہ اسکے اتنے پیسے بنتے ہیں یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسکے ساتھ ریٹ اور قیمت کو طے کیا۔

اور السَّوم کا معنیٰ آتا ہے قیمت طے کرنا۔

اور محدث احمد علی سہارنپوری علیہ الرحمہ خود بھی حل اللغات میں اسی صفحہ کے آخر میں یہی مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اَلسَّوم ذكر قدر معين للثمن، ثامنوني بحائطكم اي قدروني ثمن حائطكم

یعنی "اَلسَّوم" کا معنیٰ ہے قیمت اور ریٹ کی معین مقدار کا ذکر کرنا۔

اور" ثامنونی بحائطکم" کا معنیٰ ہے اپنے باغ کی قیمت کی مقدار معین کر کے بتاؤ۔ [1]

گزشتہ حدیث شریف کی شرح سے یہ بات واضح ہوگئی کہ خرید وفروخت میں ریٹ کی تعیین کرنا ضروری ہے جیسا کہ "ثامنونی" کے لفظ سے بطور اشارۃ النص معلوم ہو رہا ہے نیز یہ مبارک لفظ امر ہے اور امر کسی قرینہ صارفہ کے بغیر وجوب کیلئے آتا ہے۔ اسی واسطے ثمن کی جہالت سے بیع فاسد کا حکم لگتا ہے۔

2- امام بخاری علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت پیش کرتے ہیں:

قَالَ كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ فَكُنْتُ عَلَى جَمَلٍ ثَقَالٍ إِنَّمَا هُوَ فِي آخِرِ الْقَوْمِ فَمَرَّ بِي النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَنْ هٰذَا فَقُلْتُ جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ فَقَالَ مَا لَكَ فَقُلْتُ إِنِّي عَلَى جَمَلٍ ثَقَالٍ قَالَ أَمَعَكَ قَضِيبٌ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ أَعْطِنِيهِ فَأَعْطَيْتُهُ فَضَرَبَهُ فَزَجَرَهُ فَكَانَ مِنْ ذٰلِكَ الْمَكَانِ مِنْ أَوَّلِ الْقَوْمِ قَالَ بِعْنِيهِ قُلْتُ بَلْ هُوَ لَكَ يَارَسُولَ اللهِ قَالَ بَلْ بِعْنِيهِ قَالَ قَدْ أَخَذْتُهُ بِأَرْبَعَةِ دَنَانِيرَ ... الخ

یعنی حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں میں ایک سفر میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ سست چال والے اونٹ پر سوار سب سے پیچھے تھا میرے پاس سے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سواری کا گزار ہوا (میری سواری کی چال کو دیکھ کر بڑے پیار سے فرمانے لگے) کون ہے......؟" میں نے عرض کی حضور! جابر بن عبد اللہ ہے" آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا وجہ ہے کہ سب سے پیچھے ہو"؟ عرض کی حضور

[1] بخاری شریف، بمعہ حاشیۃ البخاری ج:۱ صفحہ: ۲۸۳، حاشیہ نمبر ۶ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی

سست چال والے اونٹ پر سوار ہوں"۔ (آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سستی کہاں پسند) فرمانے لگے۔ تیرے پاس چھڑی ہے؟" میں نے عرض کی جی ہاں"! فرمایا:" میری طرف کرو" میں نے چھڑی آپ کے حضور پیش کی۔ بس کیا تھا کہ آپ نے میرے اونٹ کو ایک ہی ضرب لگائی اور چلنے کیلئے جھڑ کا وہ اونٹ تو وہاں سے سب سے آگے جا پہنچا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:" یہ اونٹ اب مجھے بیچ ڈالو" میں نے عرض کی ہاں کیوں نہیں یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ آپ کی ہی ملکیت میں ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو بیچو!" (میری خاموشی دیکھ کر پھر) خود ہی فرمایا میں نے چار دیناروں کے بدلے اسے خرید لیا۔ (پھر مدینہ منورہ پہنچ کر سواری اور دینار دونوں ہی حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا کر دیے۔)

اس حدیث مبارک میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خرید وفروخت کا سلیقہ سکھا دیا کہ بغیر ریٹ طے کیے بیع نہیں، ہبہ وغیرہ ہو سکتا ہے اسکے حاشیہ میں علامہ بدالدین عینی علیہ الرحمہ کے حوالے سے لکھا ہے۔

قال قد أخذته بأربعة دنانير۔ اے قال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قد أخذته بأربعة دنانير فيه ابتداء المشتري بذكر الثمن

یعنی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اسے چار دیناروں کے بدلے خریدا۔ اس میں خریدنے والے کا ریٹ کی ابتداء کرنے کا بیان ہے اور "قلت بلیٰ هو لك" کے الفاظ ذکر کر کے علامہ عینی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

"اے بغیر الثمن"

یعنی میں نے عرض کی ہاں کیوں نہیں یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ آپ کی ملکیت میں ہے۔

(یہ الفاظ اگرچہ ایجاب پر قبولیت کے ہیں لیکن) بغیر ثمن کے ہیں ثمن کا ذکر نہیں (سو یہ بیع نہیں)[1]

لہٰذا خرید وفروخت کی صحت کیلئے ریٹ بیع میں ہی طے کرنا ضروری ہے بعد میں نہیں۔

3- امام بخاری علیہ الرحمہ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں جس کا آخر یہ ہے:

قَالَ يَا رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم إِنَّ عِنْدِي نَاقَتَيْنِ أَعْدَدْتُهُمَا لِلْخُرُوجِ فَخُذْ إِحْدَاهُمَا قَالَ قَدْ أَخَذْتُهَا بِالثَّمَنِ۔

یعنی ہجرت کی رات ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا! حضور میرے پاس دو انٹیاں ہیں ان کو میں نے (اسی رات) نکلنے کیلئے تیار کیا ہے ان میں سے ایک آپ لے لیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''میں نے اسے قیمت کے بدلے خرید لیا''۔[2]

غور کیجئے! ہجرت کی رات بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت مسلمہ کیلئے خرید وفروخت کو ریٹ اور قیمت طے کر کے منعقد کرنے کی تعلیم دی۔

اگر یہ کہا جائے کہ جناب ہم بغیر طے کیے جو گندم یا چاول وغیرہ دیتے ہیں تو اگرچہ ہم اس وقت طے نہیں کرتے لیکن ہم جب اس کے پیسے لیتے ہیں یا پیسے لینے کی جو تاریخ مقرر کرتے ہیں اس وقت ہم اس سودے کا ریٹ طے کر کے سودا تو کر لیتے ہیں لہٰذا ہمارا سودا اور ہماری خرید وفروخت ریٹ طے کر کے ہوئی سو یہ معاملہ جائز ہو گیا؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نے مانا کہ آپ سودا پیسے لیتے وقت کر رہے ہیں لیکن ہمارا سوال یہ ہے کہ جب گندم یا چاول دیے جا رہے ہیں تو کیا اس وقت یہ سودا دینے والا

[1] بخاری شریف، ج:۱، ص:۳۱۰ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی

[2] بخاری شریف، ج:۱، ص:۲۸۷ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی

خرید وفروخت سمجھ کر دے رہا ہے یا ویسے ہی ہبہ وصدقہ کر رہا ہے یا قرض دے رہا ہے یا امانت رکھوا رہا ہے۔

اگر اسے خرید وفروخت سمجھ رہا ہے، اور اس کے بعد اسی ایک سودے پر دوبارہ خرید وفروخت کر رہا ہے سو ایسے عمل سے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔

چنانچہ شیخ ولی الدین محمد ابن عبد اللہ تبریزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی سند کے اعتماد پر مشکوۃ شریف میں حدیث بیان کرتے ہیں:

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده قال نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن بيعتين في صفقة واحدة رواه شرح السنه

یعنی حضرت عمرو ابن شعیب رضی اللہ عنہما اپنے باپ سے وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی سامان میں دو بیعوں کو منع فرمایا۔[1]

شیخ عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی رحمہما اللہ تعالیٰ ترمذی شریف میں اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

"نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن بيعتين في بيعة"

یعنی رسول اللہ علیہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک بیع میں دو بیعوں کو کرنے سے منع فرمایا۔

اس حدیث شریف کی شرح میں شیخ ترمذی علیہ الرحمہ قمطراز ہیں:

وَقَدْ فَسَّرَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ قَالُوا بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ أَنْ يَقُولَ أَبِيعُكَ هٰذَا الثَّوْبَ بِنَقْدٍ بِعَشَرَةٍ وَبِنَسِيئَةٍ بِعِشْرِينَ وَلَا يُفَارِقُهُ عَلَى أَحَدِ الْبَيْعَيْنِ فَإِذَا فَارَقَهُ عَلَى أَحَدِهِمَا فَلَا بَأْسَ إِذَا كَانَتِ الْعُقْدَةُ عَلَى أَحَدٍ مِنْهُمَا قَالَ الشَّافِعِيُّ وَمِنْ مَعْنَى مَا نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ

[1] مشکوۃ شریف، ج:۱، ص:۲۴۸ مطبوعہ مکتبۃ الحرمین الشریفین کوئٹہ

بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ أَنْ يَقُولَ أَبِيعُكَ دَارِي هَذِهِ بِكَذَا عَلَى أَنْ تَبِيعَنِي غُلَامَكَ بِكَذَا فَإِذَا وَجَبَ لِي غُلَامُكَ وَجَبَتْ لَكَ دَارِي وَهَذَا يُفَارِقُ عَنْ بَيْعٍ بِغَيْرِ ثَمَنٍ مَعْلُومٍ وَلَا يَدْرِي كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا عَلَى مَا وَقَعَتْ عَلَيْهِ صَفْقَتُهُ

یعنی اہل علم حضرات حدیث شریف کی وضاحت کچھ یوں فرماتے ہیں:

پہلا مفہوم

دو بیعوں کا ایک بیع میں کرنا یوں ہوگا وہ کہے میں نے اس کپڑے کو نقد دس اور ادھار بیس کے بدلے بیچا اور دو بیعوں میں سے کسی ایک کو جدا اور علیحدہ بیان نہ کرے۔ البتہ اگر ان بیعوں کو علیحدہ علیحدہ کر دیا تو کوئی حرج نہیں کیونکہ ہر ایک کا عقد علیحدہ علیحدہ ہوگیا ہے۔

دوسرا مفہوم

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بیع میں دو بیعوں سے جو منع فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس خرید و فروخت میں منع ہے مثلاً یوں کہے میں نے اپنے گھر کو اتنے میں بیچا اس شرط پر کہ تو مجھے اپنا غلام اتنے میں بیچ دے جب تیرے غلام پر میری ملکیت ثابت ہو جائے تو تیرے لیے میرے گھر کی ملکیت ثابت ہو جائے گی۔ اور یہ ریٹ طے نہ ہونے کی وجہ سے جدا شئے ہے اور دونوں میں سے کوئی بھی نہیں جانتا کہ اس کا سودا دونوں چیزوں میں سے کس شیء کے بدلے ہو رہا ہے۔ (یعنی شرط پر طے ہو رہا ہے یا شئے کے عوض ہو رہا ہے)[1]

شیخ عبدالحق محدث دہلوی حنفی علیہ الرحمہ حدیث کا یہی مفہوم بیان کرکے فرماتے ہیں:

والعلة فی کلاالنوعین جھالة الثمن اما فی الاول فظاھر واما فی

[1] ترمذی شریف، ج:۱، ص:۲۳۳ مطبوعہ علوم اسلامیہ بلوچستان

الثانی فلان بیع الجاریة لایلزم بذلك الشرط وقد جعله من الثمن فینقض ولیس له قیمة

یعنی بیان کردہ دونوں مفہوموں میں بیع فاسد ہونے کی علت قیمت کا خرید و فروخت میں معلوم نہ ہونا ہے پہلی صورت میں فساد ظاہر ہے البتہ دوسری صورت میں قیمت اس طرح معلوم نہیں ہے کہ لونڈی یا غلام کی بیع اس شرط کو لازم نہیں اور صورت حال یہ ہے کہ بیچنے والے نے اسے قیمت کا حصہ بنا دیا ہے جسکی وجہ سے غلام یا لونڈی کی قیمت میں کمی آگئی حالانکہ یہ شرط اس کیلئے قیمت نہیں تھی۔ [1]

اس مفہوم حدیث شریف کو سامنے رکھیے اور صورت مسئولہ کو ایک نظر دیکھے۔ تو ہمیں علت فساد یکساں نظر آئے گی کیونکہ ایک خرید و فروخت ہم آپ کی گندم وغیرہ لیتے وقت مان لیں اور دوسری خرید و فروخت جو پہلی بیع میں شرط لگائیں کہ ریٹ فلاں تاریخ کے اعتبار سے ہوگا۔ وہ مان لیں۔

جبکہ پہلی خرید و فروخت میں ریٹ کی تعیین ہی نہیں اور اسی میں دوسری خرید و فروخت پر ریٹ کی تعیین کی شرط لگائی جا رہی ہے۔

”حالانکہ سودا ایک ہے۔ اور اس میں دو بیوع ہو رہی ہیں“۔

اور مذکور حدیث شریف سے آئمہ حدیث کی وضاحت کے مطابق یہی مفہوم نکلتا ہے کہ ہر ایسی خرید و فروخت ناجائز ہے جس میں ریٹ کو معین نہ کیا جائے۔

یہاں تک تو یہ معلوم ہوگیا کہ سمجھنے والا اگر اسے خرید و فروخت سمجھ رہا ہے تو قانون شریف کے مطابق اسے بیع نہیں کہا جائے گا۔ اور اگر اسے ”ھبہ“ سمجھا جائے۔ تو ھبہ میں دی ہوئی شئے کا عوض

[1] (i) حاشیہ علی المشکوٰۃ، ج:۱، ص:۲۴۸ حاشیہ نمبر ۹ مطبوعہ مکتبۃ الحرمین الشریفین کوئٹہ

(ii) اشعۃ اللمعات، ج:۳، ص:۳۵ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ

دینا ضروری نہیں ہوتا نیز اس میں چند صورتیں ایسی ہوتی ہیں جس میں وہ اپنا دیا واپس نہیں لے سکتا اور ان میں کئی ایک صورتیں اس صورت مسئولہ میں پائی جا رہی ہیں مثلاً ھبہ کی ہوئی شئی میں زیادتِ متصلہ ہو جائے یعنی ایسی بات پیدا ہو جائے جس سے قیمت میں اضافہ ہو جائے۔

چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے: ومنها الزيادة في الموهوب زيادة متصلة سواء كانت بفعل الموهب له أولا يفعله.

یعنی ان عوارض مانعہ میں سے ایک موہوب (ھبہ کی ہوئی شئی) میں ایسی زیادتی جو اس کے ساتھ متصل ہو، خواہ جس کو ھبہ کیا ہے اس کا عمل دخل اس میں ہو یا نہ ہو۔ [1]

پھر اس صورت مسئولہ میں گندم کا ریٹ کسان کے پاس کم ہوتا ہے اور آڑھتی اسے جب منڈی لے جاتا ہے تو وہاں اس کا ریٹ زیادہ ہوتا ہے۔ اور یہی زیادتی ھبہ کے رجوع کو ختم کر دیتی ہے۔

بحر الرائق میں ہے:

زيادة القيمة بالنقل من مكان الى مكان [2]

قیمت میں زیادتی ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے سے بڑھ جائے تو رجوع ختم ہو جاتا ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

ولو نقله من مكان الى مكان حتى ازدادت قيمته واحتاج الى مؤنة النقل ذكر في المنتقى أخذ عند أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالىٰ ينقطع الرجوع

[1] فتاویٰ عالمگیری، ج:۴، ص:۳۸۶ مطبوعہ مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ

[2] بحر الرائق شرح کنز الدقائق، ج:۷، ص:۴۹۶ مطبوعہ مکتبہ حقانیہ پشاور

یعنی اگر ھبہ دی ہوئی شئی کو ایک جگہ سے دوسری جگہ نقل کیا جائے جس سے اس کی قیمت بڑھ گئی اور اس شئے کو نقل کرنے کی مشقت وہ اٹھا رہا ہے جس کو ھبہ دیا گیا۔ تو "منتقی" میں ہے کہ طرفین علیہما الرحمہ کے نزدیک رجوع کا حق ختم ہو جائے گا۔ [1]

دوسری صورت ھبہ میں رجوع کے حق کو ختم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ھبہ کرنے اور لینے والوں میں سے کسی ایک کا انتقال ہو جائے۔

چنانچہ عالمگیری میں ہے: منها موت الواهب، یعنی واھب کی موت حق رجوع ختم کر دے گی۔ [2]

کنز الدقائق میں اور اس کی شرح بحر الرائق میں ہے:

(والميم موت أحد المتعاقدين) يعني حرف الميم اشارة الى أن موت أحدهما مانع اذا كان بعد التسليم

یعنی متعاقدین میں کسی ایک کی موت حق رجوع کو روک دیتی ہے جب ھبہ شئے کو ھبہ کرنے والے نے دے دیا (اور لینے والے نے قبضہ کر لیا) [3]

پھر کنز الدقائق میں ہے:

خروج الهبة من ملك الموهوب له

ھبہ کا اس کی ملک سے نکل جانا جس کو ھبہ کیا گیا یہ بھی رجوع کو ختم کر دیتا ہے۔ [4]

پھر عالمگیری میں ہے:

منها هلاك الموهوب لانه لاسبيل الرجوع في قيمته لعدم

[1] فتاویٰ عالمگیری، ج:۴، ص:۳۸۶ مطبوعہ مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ

[2] فتاویٰ عالمگیری، ج:۴، ص:۳۸۶ مطبوعہ مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ

[3] بحر الرائق، ج:۷، ص:۴۹۷ مطبوعہ مکتبہ حقانیہ پشاور

[4] کنز الدقائق ص ۳۵۵ مطبوعہ المصباح اردو بازار لاہور

انعقاد العقد علیھا حق رجوع کو روکنے میں سے ایک سبب ھبہ کی ہوئی شئے کا ہلاک ہو جانا ہے کیونکہ اس پر عقد کے منعقد نہ ہونے کی وجہ سے اس کی قیمت میں رجوع کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ [1]

جب یہ معلوم ہوگیا کہ اگر اسے ھبہ مانا جائے تو ھبہ میں جن صورتوں میں رجوع نہیں ہو سکتا اس پر کسان رضامند نہیں ہوسکتا۔

لہٰذا اس صورت کے بارے ھبہ کا حیلہ کرنا بھی بے کار ہے۔

اور اگر اس گندم، چاول وغیرہ کو بطور قرض دے رہا ہے تو قرض کا قانون یہ ہے کہ اسی شئے کا دینا ضروری نہیں ہوتا بلکہ اس کی مثل کا دینا ضروری ہوتا ہے، قیمت دینا بھی درست ہے۔ اور اگر شئے کی قیمت دینی ہے تو اس وقت کے مطابق ہوگی جس دن آڑھتی کے قبضہ میں گندم وغیرہ گئی ہے۔

چنانچہ رد المحتار میں علامہ ابن عابدین شامی علیہ الرحمہ رقمطراز ہیں:

وقولھما أنظر للمقرض من قول الامام ،لان فی رد المثل اضراراً به، ثم قول ابی یوسف أنظر له ایضاً

یعنی صاحبین کا قول امام صاحب کے قول سے اس مسئلہ میں قرض خواہ کیلئے زیادہ لحاظ والا ہے کیونکہ اسی کی مثل کو لوٹانا (جیسا کہ امام صاحب فرماتے ہیں) اس میں قرض خواہ کو ضرر پہنچانا ہے پھر صاحبین میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول زیادہ نظر و شفقت پر مبنی ہے۔

ذرا آگے امام شامی علیہ الرحمہ، امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے قول پر فتویٰ کی صراحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں

وقد منا اول البیوع أنه عند ابی یوسف تجب قیمتھا یوم

[1] فتاوٰی عالمگیری، ج:۴، ص:۳۸۶ مطبوعہ مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ

القبض ایضاً وعلیه الفتوی کما فی البزازیة والذخیرة والخلاصة

اور ہم نے کتاب البیوع کے آغاز میں بیان کیا تھا کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک قبضہ کے دن کا اعتبار کرتے ہوئے قیمت واجب ہوگی۔ نیز اسی پر فتویٰ ہے جیسا کہ فتاوٰی بزازیہ، ذخیرۃ الفتاوٰی اور خلاصۃ الفتاوٰی میں یہ بات موجود ہے۔ [1]

معلوم ہوا کسان جو ریٹ طے نہیں کر رہا اور قرض کر کے کسی اور تاریخ تک گندم چاول وغیرہ کو مؤخر کر رہا ہے تو اگر کسان قیمت لینا چاہتا ہے تو آڑھتی وہی قیمت دے گا جس دن گندم وغیرہ اٹھا کر لایا تھا۔ تو اس سے بہتر ہے کہ ریٹ ہی طے کرلے۔

اور اگر قرض سے مقصد یہ ہے کہ اس پر نفع لوں گا تو ایسا نفع لینا حرام ہے۔

چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

کل قرضٍ جر منفعة فھو ربا

"ہر وہ قرض جو نفع کھینچے سود ہے۔" [2]

اور اگر اس دیے ہوئے سودے کو امانت سمجھا جائے تب بھی درست نہیں کیونکہ امانت میں بلا اجازت تصرف بھی ناجائز ہوتا ہے اور اگر استعمال کی اجازت دے تو بعد از تصرف وہ امانت قرض بن جاتی ہے۔

چنانچہ متون اربعہ معتبرہ میں سے علامہ ابوالحسین احمد ابن محمد البغدادی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

الودیعة أمانة فی ید المودع اذا ھلکت فی یده لم یضمنھا

یہ رکھا گیا سامان مودع کے قبضہ میں امانت ہے جب وہ اس کے قبضے سے (اس

[1] رد المحتار علی الدر المختار، ج:۷، ص:۴۰۹ مطبوعہ مکتبہ حقانیہ پشاور

[2] کنز العمال بحوالہ الحارث عن علی، رقم الحدیث ۱۵۵۲۶، ج:۶، ص:۲۳۸

کے اپنے عمل دخل کے بغیر) ہلاک ہوجائے تو اس پر ضمان نہیں۔ [1]

اور فتاوی رضویہ میں ہے:

زرِ امانت میں اس کو تصرف حرام ہے یہ اُن مواضع میں ہے جن میں درہم ودنانیر متعین ہوتے ہیں اس کو جائز نہیں کہ اُس روپے کے بدلے دوسرا روپیہ رکھ دے اگرچہ بعینہ ویسا ہی ہو اگر کرے گا امین نہ رہے گا اور تاوان دینا آئے گا، والمسئلہ منصوص علیہ فی الدر المختار"۔ [2]

سو یہاں تک بات نکھر کر سامنے آگئی کہ صورت مسئولہ میں نہ تو ھبہ وصدقہ کا احتمال ہے اور نہ ہی قرض وامانت کا حیلہ ہوسکتا ہے۔ اب ایک ہی صورت پیچھے بچتی ہے اور وہ ہے کہ اسے بیع سمجھا جائے اور یقیناً اسے سمجھا بھی بیع ہی جاتا ہے۔ باقی مفروضات کا وجود کسی حوالے سے یہاں درست نہ نکلا۔

اور بیع کے بارے ہم قرآن وحدیث سے یہ بات واضح کر چکے ہیں کہ اس میں وقتی طور پر ریٹ کا متعین ہونا ضروری ہے۔ اب اس بارے فقہاء کرام کی صراحت ملاحظہ کرتے ہیں۔

فقہاء کرام اور خرید وفروخت میں ثمن (ریٹ) طے کرنے کا حکم:

امام ابوالحسین احمد بن محمد ابن قدوری علیہ الرحمۃ متوفّٰی ۴۲۸ھ "المختصر القدوری" میں رقمطراز ہیں:

والاثمان المطلقة الا تكون معروفة القدر والصفة

یعنی ثمن (ریٹ) کی تعیین نہ کی مطلق ہی رکھا تو یہ بیع درست نہیں مگر یہ کہ ان ثمنوں کی

[1] قدوری، ص: ۱۱۹ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ

[2] فتاوی رضویہ، ج: ۱۹، ص ۱۶۶ مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن

مقدار اور وصف معلوم ہوجائے۔ [1]

اس عبارت کی شرح کرتے ہوئے امام ابوبکر ابن علی ابن محمد الحداد علیہ الرحمۃ متوفّٰی ۸۰۰ھ "الجوھرۃ النیرۃ" میں رقمطراز ہیں۔

صورة المطلقة: أن يقول: إشتريت منك بذهب أو بفضة أو بحنطة أو بذرة ولم يعين قدراً ولا صفةً وفي الينابيع: صورة ان يقول: بعت هذا منك بثمن او بما يساوي فيقول: اشتريت فهذا لا يجوز حتى يبين قدر الثمن وصفته فالقدر مثل عشرة او عشرين

یعنی ریٹ مطلق رکھنے کی صورت یہ ہے کہ خریدنے والا کہے میں تجھ سے سونا چاندی، گندم یا جوار کے عوض اس شئے کو خریدا اور نہ مقدار ذکر کرے اور نہ ہی صفت ذکر کرے اور "ینابیع" میں اس کی صورت اس طرح بیان کی ہے۔ بیچنے والا کہے میں نے تجھے یہ چیز روپوں کے عوض یا جو اس کے مساوی بنتی ہے اسکے بدلے بیچتا ہوں۔ خریدنے والے نے کہا: میں نے خریدا (قیمت طے نہیں کی) تو یہ جائز نہیں یہاں تک کہ وہ ثمن یعنی روپوں کی مقدار اور اس کا وصف بیان کرے۔ روپوں کی مقدار مثلاً اس طرح بیان کرے کہ دس (10) روپے کے عوض یا بیس (20) روپے کے عوض بیچتا ہوں (پھر جائز ہے) [2]

اس عبارت کی شرح کرتے ہوئے امام برھان الدین ابوالحسن علی ابن ابوبکر الفرغانی المرغینانی علیہ الرحمۃ متوفّٰی ۵۹۳ھ (مِن اصحاب الترجیح) اپنی مشہور زمانہ کتاب ھدایہ شریف میں رقمطراز ہیں:

لان التسليم والتسلم واجب بالعقد وهذه الجهالة مفضية الى

[1] المختصر القدوری، ص ۱۲۴ مطبوعہ مکتبہ ضیائیہ راولپنڈی

[2] الجوہرۃ النیرۃ، ج: ۱، ص: ۴۳۴ مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور

المنازعه فيمتنع التسليم والتسلم وكل جهالة هذه صفتها تمنع الجواز هذا هو الاصل

یعنی یہ معاملہ درست اس لیے نہیں کہ لینا دینا عقد کے ساتھ واجب ہو جاتا ہے اور جہالت جھگڑے تک پہنچانے والی ہے جو لینے دینے کو روک دے گی اور (بیع میں قانون ہے) ہر ایسی جہالت جو جھگڑے تک پہنچا دے وہ خرید و فروخت جائز ہونے کو روک دیتی ہے۔

اس قانون کو مضبوطی سے تھام لو معاملات میں یہ فساد کی ایک بنیادی وجہ ہے۔ [1]

"معروفة القدر" کی وضاحت کرتے ہوئے امام کمال الدین محمد ابن عبد الواحد المعروف بابن الہمام علیہ الرحمہ متوفی ۸۶۱ھ رقمطراز ہیں:

(لاتصح حتى تكون معروفة القدر) كخمسة وعشرة دراهم

خرید و فروخت کا معاملہ اس وقت تک درست نہیں ہو گا جب تک قیمت کی مقدار معلوم نہ ہو جائے جیسے پانچ یا دس درہم (کہہ کر خرید و فروخت کرنا)۔ [2]

امام محمد علیہ الرحمہ متوفی ۱۸۹ھ "جامع الصغیر" میں رقمطراز ہیں:

ومن باع عبدين بألف درهم على انه بالخيار في أحدهما ثلثة أيام فالبيع فاسد وان باع كل واحد منهما بخمسائة على أنه بالخيار في أحدهما بعينه جاز البيع

پہلی صورت

اور جس نے دو غلاموں کو اکٹھا ایک ہی ریٹ مثلاً ہزار درہم کے عوض بیچا اس شرط پر کہ خریدنے والے کو دونوں میں سے کسی ایک غلام کو رکھنے کا تین دن تک اختیار ہے تو یہ بیع

[1] الھدایہ للمرغینانی، ج:۳،ص:۲۶ مطبوعہ مکتبہ حقانیہ پشاور
[2] فتح القدیر شرح الھدایہ، ج:۶،ص:۲۴۱ مطبوعہ مکتبہ حقانیہ پشاور

فاسد ہے۔

دوسری صورت

اور اگر بیچنے والے نے دونوں غلاموں کو علیحدہ علیحدہ پانچ، پانچ سو درہم کے عوض اس شرط پر بیچا کہ خریدنے والے کو دونوں میں سے ایک معین غلام کے رکھنے کا اختیار ہے تو یہ بیع جائز ہے۔ [1]

اس عبارت کی شرح کرتے ہوئے صاحب ہدایہ علیہ الرحمہ رقمطراز ہیں:

والمسألة على أربعة أوجه: أحدها أن لايفعل الثمن ولايعين الذى فيه الخيار وهو الوجه الاول فى الكتاب وفساده لجهالة الثمن والمبيع لان الذى فيه الخيار كالخارج عن العقد اذالعقد مع الخيار لا ينعقد فى حق الحكم فبقى الداخل فيه احدهما وهو غير معلوم، والوجه الثانى أن يفصل الثمن ويعين الذى فيه الخيار وهو المذكور ثانياً فى الكتاب وانّما جاز لان المبيع معلوم والثمن معلوم وقبول العقد فى الذى فيه الخيار وان كان شرط لانعقاده فى الأخر ولكن هذا غير مفسد للعقد لكونه محلا للبيع كما اذا جمع بين قن ومدبر والثالث يفصل ولا يعين والرابع أن يعين ولا يفصل والعقد فاسد فى الوجهين اما لجهالة المبيع اولجهالة الثمن

اس مسئلہ کی چار صورتیں بنتی ہیں:

(۱) نہ ہی ریٹ طے کرے اور نہ ہی اس غلام کو معین کرے جس میں خیار رکھا جا رہا ہے اسی کو "جامع الصغیر" میں پہلی صورت کے طور پر ذکر کیا گیا اور اس بیع کے فاسد ہونے کی وجہ ریٹ

[1] الجامع الصغیر للامام محمد علیہ الرحمہ، ص ۳۴۴ مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ

اور سامان کی جہالت ہے۔ کیونکہ جس غلام میں خیار ہے وہ تو اس صورت میں عقد سے خارج ہونے والے کی طرح ہے، کیونکہ عقد خیار کے ساتھ ہوتا ہے جو ملکیت کے حق میں منعقد نہیں ہوا لہٰذا عقد میں دو غلاموں میں سے ایک کا داخل ہونا باقی رہا اور اس کا علم نہیں۔

(۲) ریٹ طے کرے اور اس غلام کو بھی معین کردے جس میں خیار شرط ہے اور اسی کو متن میں دوسری صورت بنایا اس کے جائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مبیع (سامان) بھی معلوم ہے اور ریٹ بھی معلوم ہے اور اس عقد کا قبول کرنا جس غلام میں خیار ہے اگرچہ عقد کے منعقد ہونے کی شرط آخر میں ہی سہی لیکن یہ عقد کو فاسد کرنے والی نہیں کیونکہ وہ غلام بیع کا محل تو ہے جیسا کہ اس نے بیع کے اندر خالص غلام اور مُدَبَّر غلام کو جمع کرلیا (تو خالص غلام کے حق میں بیع اس کے حصہ کے مطابق نصف کے حساب سے ہوجائے گی یعنی مُدَبَّر کے حق میں بیع نہ بھی ہو تو خالص غلام کو کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ مدبر محل بیع ہے آگے مُدَبَّر غلام کی بیع کا نفاذ نہ ہونا علیحدہ بات ہے۔ اگرچہ وہ بھی قاضی کے حکم سے نافذ ہوسکتی ہے۔)

(۳) ثمن طے کردے اور غلام کو معین نہ کرے۔

(۴) غلام معین کردے اور ثمن طے نہ کرے۔

اس (تیسری اور چوتھی) صورت میں عقد فاسد ہوگا کیونکہ ان دونوں صورتوں میں بیع کے منافی دو خرابیوں میں سے ایک خرابی ضرور پائی جارہی ہے۔ یا تو بیع (سامان یا غلام) نامعلوم ہے یا قیمت کا علم نہیں (اور یہ دونوں ناجائز ہیں)۔ [1]

فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

ومنها أن يكون معلوماً والثمن معلوماً علما يمنع من المنازعة فبيع المجهول جهالةً تفضي اليها غير صحيح كبيع شاة من هذا

[1] الھدایہ للمرغینانی، ج:۳، ص:۳۸ مطبوعہ مکتبہ حقانیہ پشاور

القطيع وبيع شئى بقيمته وبحكم فلان.

اور شرط نفاذ عقد میں سے ہے کہ مبیع اور ثمن اس طرح معلوم ہوں کہ نزاع پیدا نہ ہوسکے سو ایسے مجہول کہ جھگڑا ہوسکتا ہو تو خرید وفروخت صحیح نہیں مثلاً کہا اس ریوڑ میں سے ایک بکری بیچی (تو یہ مبیع مجہول ہے) یا اس شئے کو اس کی قیمت پر بیچا یا اس قیمت پر بیچا جو فلاں شخص بتائے۔ (تو اس میں قیمت مجہول ہے)۔ [1]

گزشتہ ھدایہ شریف کی عبارت "وكل جهالة هذه صفتها تمنع الجواز"
یعنی ہر وہ جہالت جو جھگڑے تک پہنچادے وہ جائز نہیں۔

اسی طرح عالمگیری کی عبارت:

"فبيع المجهول جهالة تفضي اليها غير صحيح"
یعنی ثمن ومبیع اس طرح مجہول ہوں کہ جھگڑا ہوسکتا ہو تو خرید وفروخت صحیح نہیں۔

ان عبارات کا مفہوم مخالف مراد لیتے ہوئے اگر کہا جائے کہ ثمن ومبیع اگر مجہول ہوں اور جھگڑا نہ ہو تو ان عبارات سے معلوم ہوا کہ ایسی بیع جائز ہے؟

تو اس کے جواب میں گزشتہ عبارات ہی کافی ہیں تاہم بات کو مزید واضح کرکے بیان کیے دیتے ہیں۔ خیال رہے گزشتہ عبارات میں یہ قیود اتفاقی نہیں احترازی ہیں جو بمنزلہ شرط کے ہیں لیکن جہالت ثمن کو فقہاء کرام نے مفضی الی المنازعہ میں اس وقت منحصر کیا ہے۔ جب اس کا فساد متقرر ہوجائے۔ اور مسئولہ صورت میں جہالت ثمن کا فساد متقرر ہے۔ اور جہالت یسیر سے ہماری گفتگو ہی نہیں۔

خود صاحب ھدایہ علیہ الرحمہ اس قانون سے ذرا آگے خیار شرط میں جامع الصغیر کی عبارت کی شرح کرتے ہوئے مطلقاً جہالت ثمن پر عقد بیع کے فساد کا حکم لگایا ہے جیسا کہ ابھی

[1] فتاوٰی عالمگیری، ج:۳، ص:۳ مطبوعہ ماجدیہ کوئٹہ

گزرا حالانکہ یہ مقام بیان ہے اور مقام بیان میں کسی قید کا ترک قابل لحاظ ہوتا ہے۔ کما مصرح فی الأصول

اور فتاویٰ عالمگیری میں الفصل الثامن فی جہالۃ المبیع والثمن کے تحت لکھتے ہیں:

واذا شتری الرجل شیأً من غیرہ ولم یذکر ثمنا کان البیع فاسداً

یعنی جب مرد نے کسی شئے کو اپنے غیر سے خریدا اور ریٹ کا ذکر نہ کیا تو یہ بیع فاسد ہوگی۔ [1]

معلوم ہوا کہ یہ قیود عقد میں جہالت کثیر کے ساتھ معتبر ہیں۔ دورانِ خرید وفروخت اگر جہالت ثمن نہ ہو تو جہالت یسیر ہے جو عقد کو فاسد نہیں کرتی اور صورت مسئولہ میں یہ نہیں ہے وہاں تو عقد میں جہالت کثیر کا فساد متقرر ہو چکا ہے۔

اسی وجہ سے "النتف فی الفتاویٰ" میں شیخ الاسلام قاضی القضاۃ ابوالحسن علی ابن حسین ابن محمد السغدی علیہ الرحمہ متوفّٰی ۴۶۱ھ رقمطراز ہیں:

وأما اعلام الثمن فان جہالۃ الثمن نفسہ تفسد البیع

یعنی قیمت کا خرید وفروخت میں اظہار ضروری ہے کیونکہ بذاتہ ثمن کی جہالت بیع کو فاسد کر دیتی ہے۔ [2]

فقیہ ابولیث سمرقندی علیہ الرحمہ متوفیٰ ۳۷۳ھ "خزانۃ الفقہ" میں رقمطراز ہیں:

والجہالۃ فی الثمن أو المثمن

---

[1] فتاویٰ عالمگیری، ج: ۳، ص: ۱۲۲ مطبوعہ مکتبہ ماجدیہ عید گاہ طوغی روڈ کوئٹہ

[2] النتف فی الفتاویٰ، ص: ۲۷۵ مطبوعہ ایچ، ایم سعید کمپنی کراچی

یعنی جہالت قیمت میں ہو یا سودے میں بیع فاسد کی ایک قسم ہے۔ [1]

ابوالبرکات عبد اللہ ابن احمد ابن محمد النسفی علیہ الرحمہ متوفّٰی ۷۱۰ھ "کنز الدقائق" میں رقمطراز ہیں:

ولا بد من معرفۃ قدرہ ووصف ثمن غیر مشارٍ الیہ

یعنی مبیع اور ثمن کی مقدار کی پہچان اور ایسے پیسوں کے وصف کی پہچان جس کی طرف اشارہ نہ کیا گیا ہو، ضروری ہے۔ [2]

اس عبارت کے تحت علامہ بدر الدین عینی حنفی علیہ الرحمہ متوفّٰی ۸۵۵ھ رقمطراز ہیں:

لان جہالتہما تفضی إلی المنازعۃ کما فی السلم فان معرفۃ قدر المسلم فیہ شرط الجواز العقد والحاصل أن الأعواض اذا کانت غیر مشار الیہا سوآء کان ثمنا اومثمنا یشترط فیہا معرفۃ المقدار فی المبیع ومعرفۃ مقدار الثمن ووصفہ

یعنی مبیع اور ثمن کی مقدار کی معرفت ضروری اس واسطے ہے کہ ان دونوں کی جہالت وہ جھگڑے تک معاملہ کو پہنچا دیتی ہے جیسا کہ بیع سلم میں کیونکہ مُسلَم فیہ کی مقدار کی پہچان عقد کے جائز ہونے کیلئے شرط ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ عوض بننے والی اشیاء کی طرف جب اشارہ نہ کیا جائے خواہ وہ پیسے ہوں یا سامان، اس میں مقدار کی پہچان مبیع میں اور مقدار اور وصف دونوں کی پہچان ثمن میں شرط قرار دی گئی ہے۔ [3]

علامہ فخر الدین عثمان ابن علی الزیلعی حنفی علیہ الرحمہ متوفّٰی ۷۴۳ھ اس عبارت کے

---

[1] خزانۃ الفقہ، ص: ۱۷۰ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ میزان مارکیٹ کوئٹہ

[2] کنز الدقائق، ص: ۱۹۸ مطبوعہ مکتبہ ضیائیہ راولپنڈی

[3] رمز الحقائق شرح کنز الدقائق للعینی، ج: ۲، ص: ۳ مطبوعہ النوریۃ الرضویہ پبلشنگ کمپنی لاہور

بارے لکھتے ہیں:

لان جهالتهما تفضی الی النزاع المانع من التسليم والتسلم فيخلو العقد عن الفائدة وكل جهالة تفضی اليه يكون مفسداً

ثمن اور مبیع کی مقدار کی پہچان اس واسطے ضروری ہے کہ ان دونوں کی جہالت معاملہ کو اس جھگڑے تک پہنچا دے گی جو لینے، دینے سے مانع ہے جس سے عقد فائدہ سے خالی رہ جائے گا اور ہر ایسی جہالت جو جھگڑے تک پہنچانے والی ہو بیع کو فاسد کر دیتی ہے۔ [۱]

علامہ زیلعی علیہ الرحمہ نے جس انداز سے مسئلہ نقل فرمایا اس سے بات واضح ہو جاتی ہے کہ مبیع اور ثمن میں جہالت عقد کے وقت مفضی الی المنازعہ ہے جیسا کہ عبارت قیاس اقترانی کی شکل اول سے نتیجہ واضح کر رہی ہے۔

اس عبارت کے تحت بحر الرائق شرح کنز الدقائق میں علامہ ابن نجیم مصری علیہ الرحمہ متوفی ۹۷۰ھ رقمطراز ہیں:

ولا بد من معرفة قدره عند الامام

یعنی امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ثمن کی مقدار معین کرنا ضروری ہے۔ [۲]

جب مقلد کو واضح ہو گیا کہ ثمن کی مقدار کی معرفت صریحاً یا عرفاً اس کے امام کی طرف سے ضروری قرار دی گئی ہے تو اس کیلئے اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں ہے۔

فقہ حنفی کے مشہور فقیہ علامہ کاسانی علیہ الرحمہ بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع میں رقمطراز ہیں:

---

[۱] تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق للزیلعی، ج:۴، ص:۵ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان

[۲] بحر الرائق شرح کنز الدقائق، ج:۵، ص:۴۶۰ مطبوعہ مکتبہ حقانیہ پشاور

لو قال بعت هذا العبد بقيمته فالبيع فاسد لان قيمته تختلف باختلاف المقومين فكان الثمن مجهولا وكذا اذا باع بحكم المشتری أو بحكم فلان لانه لا يدری بما ذا يحكم فلان وجهالة الثمن تمنع صحة البيع فاذا علم ورضی به جاز البيع لان الجهالة قد زالت فی المجلس وله حكم حالة العقد فصار كانه كان معلوماً عند العقد وان لم يعلم به حتی افترقا تقرر الفساد.

یعنی اگر بائع نے کہا میں نے یہ غلام اس کی قیمت کے مطابق بیچا تو بیع فاسد ہے کیونکہ اس غلام کی قیمت مختلف قیمت لگانے والوں کے اعتبار سے مختلف ہوتی رہتی ہے تو یہ ریٹ مجہول ہو گیا اور اسی طرح جب اس نے غلام بیچا خریدنے والے کے حکم یا فلاں شخص کے حکم پر کیونکہ وہ نہیں جانتا فلاں کیا حکم لگائے گا اور ثمن کی جہالت خرید و فروخت کے درست ہونے سے مانع شئے ہے۔ اس کے بعد جب مشتری کو ریٹ کا علم ہوا اور وہ اس پر رضامند بھی ہو گیا تو بیع جائز ہو جائے گی کیونکہ جہالت مجلس کے اندر ہی زائل ہو گئی اور اب اس کا حکم عقد کی جہالت والا ہی ہو گیا گویا ایسے ہو گیا کہ یہ قیمت عقد کے وقت ہی معلوم تھی اور اگر ریٹ کا علم نہ ہوا یہاں تک کہ بائع اور مشتری جدا ہو گئے تو فساد پختہ ہو گیا۔ [۱]

اسی لیے ہم نے کہا کہ جہالت ثمن سے فساد متقرر ہو جاتا ہے۔

صورت مسئولہ سے بالکل ملتی ایک جزئی کا بیان کرتے ہوئے:

علامہ ابن نجیم مصری علیہ الرحمہ متوفی ۹۷۰ھ رقمطراز ہیں:

وفی شرح المجمع :لوباعه إلی أجل معين وشرط أن يعطيه

---

[۱] بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، کتاب البیوع، فصل واما شرط الصحۃ، ج:۵، ص:۱۵۸: مطبوعہ ایچ، ایم سعید کمپنی

المشتری أیّ نقدٍ یروج یومئذٍ کان البیع فاسداً

یعنی مجمع کی شرح میں ہے اگر بیچنے والے نے سامان کو مقررہ مدت تک بیچا اور شرط یہ لگائی کہ خریدنے والا اس کا وہ ریٹ دے گا جو اس روز رائج ہوگا تو بیع فاسد ہوگی۔ [1]

اسی عبارت کو علامہ شامی علیہ الرحمہ نے ''فتاوی شامی'' میں نقل فرمایا اور اس سے پہلے کچھ تفصیل بیان کی۔

و کما یعتبر مکان العقد یعتبر زمنه ایضاً کما یفهم مما قدمناه فی مسئالة الکساد والرخص فلا یعتبر زمن الإیفاء :لان القیمة فیه مجهولة وقت العقد وفی البحر عن شرح المجمع

یعنی جیسا کہ عقد کی جگہ اور مکان کا اعتبار ہے اسی طرح عقد کے وقت اور زمان کا بھی اعتبار ہے۔جیسا کہ گزشتہ مارکیٹ کے مندا ہونے کے مسئلہ سے معلوم ہوا لہٰذا مکمل پیسے ادا کرنے کے وقت قیمت کا اعتبار نہیں کیا جائیگا فی الوقت ریٹ معین کیا جائے گا کیونکہ اس میں عقد کے وقت قیمت مجہول ہے۔اس سے آگے بحر الرائق کی گزشتہ عبارت نقل فرمائی۔

علامہ شامی علیہ الرحمہ کی عبارت کے تحت علامہ رافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

کان البیع فاسداً ۔وجهه أنه لایلزم من رواج النقود اتحادها فی المالیة فیفضی الی جهالة الثمن

یعنی یہ بیع فاسد ہوگی اس کی وجہ یہ ہے کہ مختلف کرنسیوں کے رائج ہونے سے لازم نہیں آتا کہ ان کا مالیت میں بھی اتحاد ہو سو معاملہ ثمن کی جہالت تک جا پہنچے گا۔ [2]

اگر اس کا یہ حل کیا جائے کہ یہ بیع فاسد ہے اور بیع فاسد قبضہ کے وقت ملکیت کا فائدہ دیتی

[1] بحر الرائق شرح کنز الدقائق،ج:۵،ص:۷۰۴ مطبوعہ مکتبہ حقانیہ محلہ جنگی پشاور

[2] رد المحتار علی الدر المختار، معہ تقریرات الرافعی،ج:۷،ص:۵۷ مطبوعہ مکتبہ حقانیہ محلہ جنگی پشاور

ہے لہٰذا اس ملکیت کو برقرار رکھنے کیلئے موجودہ ریٹ پر بیع کو نافذ کر دیا جائے جیسا کہ صاحب ھدایہ نے مختلف رائج کرنسیوں میں کسی خاص کرنسی کو ذکر نہ کرنے کی صورت میں تحریاً للجواز کی جزئی کے تحت أغلب اور زیادہ رائج کرنسی کی طرف بیع کا رخ پھیر دیا۔اسی طرح یہاں بھی موجودہ ریٹ پر بیع کو منعقد کر دیا جائے؟

یہ خلط مبحث ہے کیونکہ صاحب ھدایہ علیہ الرحمہ نے یہ جزئیہ وہاں چسپاں فرمایا تھا جہاں بیع فاسد نہیں ہوئی تھی بلکہ بیع کو فساد سے بچانے کیلئے ایسا کیا گیا اور یہاں بیع فاسد کی صورت بن چکنے کے بعد مسئلہ پوچھا گیا ہے اور ریٹ بعد میں معین کرنے کی صراحت کی جارہی ہے۔اور آپ کا یہ کہنا کہ بیع فاسد قبضہ کے وقت ملکیت کا فائدہ دیتی ہے یہ کوئی موجبہ کلیہ نہیں کیونکہ بیع مع الھزل اگر چہ بیع فاسد ہے مگر اس پر قبضہ بھی کیا جائے تب بھی ملکیت کا فائدہ نہیں دیتی۔سو سالبہ جزئیہ اس کی نقیض ثابت ہوگی جس سے یہ قاعدہ کلیہ نہ رہا یا عام مخصوص البعض ہوگیا۔جس میں دلیل ظنی سے اختصاص جائز ہو جاتا ہے۔اور اس کے موافق فتاوی شامی میں دو مسئلے اور بیان کیے ہیں کہ بیع فاسد قبضہ کے وقت ملکیت کا فائدہ نہیں دیتی۔ [1]

اسی وجہ سے ''فتاویٰ خیریہ'' میں شیخ خیر الدین رملی علیہ الرحمہ رقمطراز ہیں:

(سئل) فی رجل اشتری من اٰخر قطیعاً من الغنم علیٰ ان عدده کذا وعلیٰ ان کل شاة منه بکذا من الثمن بشرط ان یکون منه کذا من العدد بلا ثمن وقبضه المشتری علیٰ هذا الکیفیة واستهلکه فهل البیع صحیح أم غیر صحیح وما ذا یلزم المشتری؟ (أجاب) البیع المذکور فاسد وعلی المشتری قیمة الغنم یوم قبضها والله اعلم۔

یعنی آپ سے ایسے مرد کے بارے پوچھا گیا جس نے کسی دوسرے سے بکریوں کا

[1] دیکھو شامی،ج:۷،ص:۱۸۱ مطبوعہ مکتبہ حقانیہ پشاور

ایک ریوڑ خریدا اس شرط پر کہ اس کی تعداد اتنی ہو اور اس شرط پر کہ ان میں سے ہر ایک بکری کی قیمت اتنی ہو ساتھ یہ بھی شرط ہے کہ اس ریوڑ میں سے اتنی بکریاں بغیر قیمت کے ہوں گی۔ اور بیع کی اس صورتحال پر اس نے قبضہ کرلیا اور اس ریوڑ کو جان بوجھ کر ہلاک کر دیا گیا کیا یہ بیع صحیح ہے یا نہیں اور کیا مشتری پر کچھ لازم ہے؟

(آپ نے جواب دیا) مذکورہ بیع جہالت مبیع وثمن کی وجہ سے فاسد ہے اور خریدنے والے پر بکریوں کی قیمت قبضے والے دن کے اعتبار سے لازم ہے۔ واللہ اعلم۔ [1]

علامہ ابن نجیم مصری علیہ الرحمہ اپنے فتاوی میں رقمطراز ہیں:

(سئل) عن دلال له آخر عبداً ليبيعه فأخذه منه وتركه عند شخص آخر يريد شراءه فهرب هل يلزم الدلال أم الآخر

(أجاب) لا يلزم الدلال شئ لسيده وأما الآخر فكذلك حيث لم يعين له الثمن ولم يفرط فان عين له الثمن يلزم قيمته

یعنی آپ علیہ الرحمہ سے ایسے دلال کے متعلق دریافت کیا گیا جس کو کسی نے غلام بیچنے کیلئے دیا اس نے اسے پکڑ کر آگے اور ایسے شخص کے پاس چھوڑ دیا جو خریدنے کا ارادہ رکھتا ہے اب اس سے وہ غلام بھاگ گیا کیا دلال پر یا دوسرے شخص پر کچھ لازم ہے یا نہیں؟

تو آپ علیہ الرحمہ نے اس کا جواب دیا: دلال پر غلام کے آقا کیلئے کچھ دینا لازم نہیں ہے اور رہا دوسرا شخص تو اس پر بھی اسی طرح کچھ لازم نہیں ہے کیونکہ اس کیلئے ثمن کو معین نہیں کیا گیا اور نہ ہی اس نے جان بوجھ کر غلام کو بھگایا ہے اگر ریٹ معین کر دیتا تو قیمت لازم ہو جاتی۔ [2]

[1] فتاوی خیریہ، ص ۲۳۵ مطبوعہ میر محمد کتب خانہ کراچی

[2] فتاوی ابن نجیم مصری علی حامش فتاوی غوثیہ، ص: ۱۰۴ مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ

یعنی امانت کو ہلاک کیا اور اس کا علم ہو گیا تو ضمان ہے البتہ امانت کا مال ہلاک ہو گیا تو ضمان نہیں۔

اس وضاحت کے بعد مسئولہ صورت میں بھی ریٹ معین نہیں ہوتا لہذا ہم اس کے بارے یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر آڑھتی کو گندم یا چاول بیچنے کے لیے دلالی بنایا تو یہ گندم وغیرہ آڑھتی کے پاس امانت ہے۔ جس کو جان بوجھ کر ہلاک کرنے کی صورت میں آڑھتی پر تاوان ہوگا اور گندم وغیرہ خدانخواستہ خود ہلاک اور ضائع ہو جائے تو آڑھتی پر کوئی تاوان اور چٹی نہیں جو وہ کسان کو دے اور نہ ہی کسان اس ہلاک شدہ مال کا بدل مانگ سکتا ہے کیونکہ ریٹ معین کرنا بیع ہونے کی دلیل ہے جس کا عدم ایسی صورت حال میں امانت کا مقتضی ہے۔

اور مسئولہ صورت میں ثمن کو مجہول رکھنے کے ساتھ مدت کو بھی مجہول رکھنے کے بارے میں پوچھا گیا ہے تو اس بارے علامہ فخر الدین عثمان ابن علی زیلعی علیہ الرحمہ قمطراز ہیں:

ولا بد أن يكون الاجل معلوما لان الجهالة فيه تفضي الى المنازعة

اور ضروری ہے کہ بیع میں مدت معلوم ہو کیونکہ بیع میں مدت کی جہالت معاملہ کو جھگڑے تک پہنچا دیتی ہے۔ [1]

فتاوی عالمگیری میں ہے:

وان شرط الاجل في الثمن والثمن دين فان كان الاجل معلوماً جاز البيع وان كان مجهولاً فسد البيع

اور اگر پیسے ادا کرنے میں مدت کی شرط لگائی اور حال یہ ہو کہ پیسے دینے اس پر قرض ہوں پھر دیکھیں گے اگر ادائیگی کی مدت معلوم ہے تو بیع جائز ہے اور اگر مجہول ہے

[1] تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق، ج: ۴، ص: ۵ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان

تو بیع فاسد ہے۔ [1]

اور سوال میں کہا گیا کہ ”اب ہمارا عرف چل رہا ہے“ کوئی حقیقت نہیں رکھتا کیونکہ یہ معاملہ نص کے خلاف ہے اور نہ تو یہ عرف عام ہے اور نہ ہی یہ عمل تعامل سے ثابت ہے کہ جس سے نص میں تخصیص کی جا سکے۔

چنانچہ علامہ شامی علیہ الرحمۃ ”شرح عقود رسم المفتی“ میں رقمطراز ہیں:

ثم اعلم أن العرف قسمان عام وخاص فالعام يثبت به الحكم العام ويصلح مخصصا للقياس والأ ثر بخلاف الخاص فانه يثبت به الحكم الخاص مالم يخالف القياس اوالأثر فانه لا يصلح مخصصاً

یعنی عرف کی دو قسمیں ہیں:

1: عام 2: خاص

1۔عرف عام:

حرف عام وہ عرف ہے جس کے ذریعے عام حکم ثابت ہو اور اس میں یہ صلاحیت ہو کہ قیاس اور حدیث میں تخصیص کر سکے۔

2۔عرف خاص

بخلاف عرف خاص کے کیونکہ اس کے ذریعے حکم خاص ہی ثابت ہو گا جب تک وہ قیاس یا حدیث کے مخالف نہ ہو، کیونکہ عرف خاص (خود خاص ہوتا ہے اور اپنے حکم میں منحصر ہونے کی وجہ سے) تخصیص کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ [2]

---

[1] فتاوی عالمگیری، جلد: ۳، ص: ۱۴۲ مطبوعہ مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ

[2] شرح عقود رسم المفتی، ص: ۴۰ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی

علامہ شامی علیہ الرحمۃ فتاوی شامی میں اس بارے رقمطراز ہیں:

قال فی المستصفی : التعامل العام: أی الشائع المستفیض، والعرف المشترك لايصح الرجوع اليه مع التردد. اه: وفی محل اٰخر منه ولا يصلح مقيداً. لانه لما كان مشتركاً كان متعارضاً اه

مستصفی میں کہا کہ ”تعامل عام“ یعنی وہ مشہور جس سے فائدہ حاصل کیا جا سکے اور ”عرف مشترک“ اس کی طرف رجوع، تردد کے ساتھ صحیح نہیں ہوتا اور دوسرے مقام پر فرمایا عرف مشترک یہ مقید بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا کیونکہ جب مشترک ہو گیا تو متعارض ہو جائے گا۔ (یعنی کسی شئے کے ہونے اور نہ ہونے دونوں میں عرف جاری ہو یہ عرف مشترک ہے)

اس سے ذرا آگے علامہ شامی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

قال السيد الشهيد: لانأخذ باستحسان مشايخ بلخ، بل نأخذ بقول اصحابنا المتقدمين لان التعامل فی بلد لا يدل على الجواز مالم يكن على الاستمرار من الصدر الأول فيكون ذلك دليلاً على تقرير النبی صلى الله تعالىٰ عليه وسلم اياهم علىٰ ذلك فيكون شرعا منه فاذالم يكن كذلك لايكون فعلهم حجة الا اذا كان كذلك من الناس كافة فی البلدان كلها فيكون اجماعاً والاجماع حجة الاترىٰ أنهم لو تعاملوا على بيع الخمر والربا لا يفتى بالحل

یعنی سید صدر الشہید علیہ الرحمۃ: ایک مختلف فیہ مسئلہ میں گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں ہم مشائخ بلخ کے استحسان کو نہیں لیں گے بلکہ ہم اپنے متقدمین احناف کے قول پر عمل پیرا ہوں گے کیونکہ کسی ایک شہر میں تعامل وہ جواز کی دلیل نہیں ہوتا جب تک وہ صدر اول سے مسلسل چلتا نہ آ رہا ہے سو ایسی صورت میں وہ تعامل خاص نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کے باقی رکھنے پر دلیل ہو گا لہٰذا یہ تعامل لوگوں کے عمل سے نہیں بلکہ خود حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی طرف سے ہی مشروع قرار دیا گیا متصور ہو گا اور اگر اس طرح نہ ہو تو لوگوں کا عمل حجت نہیں ہو گا ہاں اگر اسی طرح تمام لوگ تمام شہروں میں کرتے ہوں تو یہ اجماع امت ہو جائے گا اور اجماع بھی ایک حجت شرعیہ ہے۔ محض لوگوں کا عمل حجت نہیں مانا جائے گا کیا اے مخاطب تو نہیں دیکھتا کہ اگر اکثر لوگ شراب اور سود پر عام معاملہ کرنا شروع کر دیں تو اس کے حلال ہونے کا فتویٰ نہیں دیا جائے گا۔ [1]

علامہ فخر الدین زیلعی علیہ الرحمہ خلافِ نص عرف کے غیر معتبر ہونے کے بارے رقمطراز ہیں:

ولئن کان فیه حرج فلا یعتبر لان الحرج انما یعتبر فی موضع لانص فیه

اور اگر اس ممانعت سے حرج ہوتا ہو تو اس کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ حرج کا اعتبار ایسی جگہ میں ہوتا ہے جس میں نص نہ ہو۔ (بیشک دین اسلام فطرت پر ہے اس کا کوئی حکم معتبر حرج کو ثابت نہیں کرتا۔ ۱۲ امرتضائی) [2]

امام زیلعی علیہ الرحمہ خلافِ نص عموم بلوی کو غیر معتبر قرار دیتے ہوئے رقمطراز ہیں:

وقال: انها رکس لم یعارضه نص آخر ولا اعتبار عندہ بالبلوی فی موضع النص کما فی بول الآدمی فان البلوی فیه أعم

یعنی امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمہ لید، گوبر کی نجاست غلیظہ پر دلیل حضور علیہ الصلوۃ کا فرمان پیش کرتے ہیں کہ "انها رکس" یعنی وہ نجاستیں ہیں اور یہ ایسی دلیل ہے جس کے معارض

[1] فتاوی شامی، ج:۷، ص: ۳۲، ۳۳ مطبوعہ مکتبہ حقانیہ پشاور

[2] تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق، ج: ۲ ص ۷۰ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان

کوئی اور دلیل نہیں۔ اور آپ رضی اللہ تعالیٰ کے نزدیک عموم بلوی کا نص کے مقابلے میں کوئی اعتبار نہیں۔ جیسا کہ آدمی کے پیشاب میں حیوانوں کی بنسبت زیادہ عموم بلوی ہے۔ (لیکن آدمی کے پیشاب کی نجاست غلیظہ ہونے پر سب متفق ہیں۔) [1]

علامہ شامی علیہ الرحمہ اپنے رسالہ "نشر العرف فی بناء بعض الاحکام علی العرف" پر رقمطراز ہیں:

اذا خالف الدلیل الشرعی فان خالفه من کل وجه بان لزم منه ترك النص فلا شك فی ردّہ کتعارف الناس کثیرا من المحرمات من الربا وشرب الخمر ولبس الحریر والذهب وغیر ذلك مما ورد تحریمه نصا وان لم یخالفه من کل وجه بان ورد الدلیل عاما والعرف خالفه فی بعض افرادہ او کان الدلیل قیاساً فان العرف معتبر ان کان عامًا فان العرف العام یصلح مخصصا کما مر عن التحریر ویترك به القیاس کما صرحوا به مسئلة الاستصناع ودخول الحمام والشرب من السقا وان کان العرف خاصا فانه لا یعتبر وهو المذهب کما ذکرہ فی الأشباہ

یعنی عرف دلیل شرعی کے مخالف ہو جائے تو دیکھا جائے گا کہ وہ ہر اعتبار سے اس دلیل کے مخالف ہے کہ اس عرف کی وجہ سے نص کا ترک لازم آتا ہے تو ایسے عرف کے رد کرنے میں کوئی شک نہیں ہے جیسا کہ لوگوں میں بہت زیادہ محرمات کا عرف چل رہا ہے مثلاً شراب نوشی، ریشم اور سونا وغیرہ پہننا جن کی حرمت پر قطعی نص وارد ہے اور اگر وہ عرف ہر اعتبار سے دلیل شرعی کے مخالف نہ ہو کہ دلیل شرعی میں عموم ہو اور عرف اس کی مخالفت بعض افراد میں

[1] تبیین الحقائق للزیلعی، ج: ۱ ص: ۷۴ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان

کرتا ہو یا دلیل قیاس کے ذریعے ہو تو اس وقت یہ عرف معتبر ہوگا بشرطیکہ عرف عام ہو کیونکہ عرف عام کے اندر ہی صلاحیت ہے کہ وہ دلیل شرعی میں قیاس یا تخصیص کر سکے جیسا کہ "تحریر" کے حوالے سے گزر چکا اور اس کے ذریعے قیاس کو چھوڑا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ علماء اصولیین نے مسئلہ استصناع، دخول حمام اور شرب من السقا کا عرف کی وجہ سے استثناء کیا ہے۔ اور اگر عرف، خاص ہو تو اسکا اعتبار نہیں کیا جائے گا اور یہی راجح مذہب ہے۔ جیسا کہ اسے "الاشباہ والنظائر" میں ذکر کیا گیا ہے۔ [1]

لہذا خلاصہ یہ نکلا کہ عرفِ خاص اور عرفِ مشترک ملتے جلتے ہیں کہ کہ اگر عرفِ خاص ایک ہی سمت میں ہو تو عرف خاص اور اگر دونوں سمتوں میں یکساں خاص ہے تو عرف مشترک البتہ حجت ہونے میں دونوں ہی غیر معتبر ہیں۔ اور عرفِ عام بھی اس شرط کیساتھ معتبر ہے کہ وہ نص کے حکم کو من کل الوجوہ ختم نہ کرتا ہو بلکہ تخصیص کرتا ہو ہاں عرفِ عام سے قیاس کو چھوڑا جاسکتا ہے۔

اور ایسا ہی حکم نص کے مقابلے میں عموم بلوی کا ہے کہ ٹکرائے تو خود گر جائے۔
اور رہا تعامل تو وہ صحابہ کرام اور مجتہدین کے زمانہ اقدس سے چلتا آرہا ہو تو معتبر ہے ورنہ نہیں۔

اور صورت مسئولہ میں جو عرف ہے یہ عام نہیں خاص ہے اور اس میں تعامل صحابہ کرام اور مجتہدین عظام کے زمانہ سے چلتا نہیں آرہا اس واسطے یہ غیر معتبر ہے اور اس کا حرج حرجِ شرعی نہیں کہ معتبر ہو بلکہ لاعلمی، سستی اور تن آسانی ہے۔ اور یہ مخفی نہ رہے کہ قیمت کی مقدار کی تعیین اگر عرف پر چھوڑ دی جائے کہ عرف میں گندم وغیرہ کا ریٹ چل رہا ہے اس کے مطابق بیع نافذ کر دی جائے۔ تو یہ بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ اگر ہم

[1] رسائل ابن عابدین ص ۱۱۶ مطبوعہ سہیل اکیڈمی اردو بازار لاہور

بالفرض عرف کا اعتبار کریں بھی تب بھی کرنسی میں عرف کا اعتبار نہیں ہو سکتا کیونکہ کرنسی میں عرف عملی معتبر نہیں ہوتا بلکہ عرف قولی یعنی زبان سے بیان کرنا یا جو بیان کے قائم مقام ہو معتبر ہوتا ہے۔

چنانچہ علامہ ابن نجیم مصری علیہ الرحمہ رقمطراز ہیں:

لکنه جزم فی التحریر بأن العادة هی العرف العملی وأن مسألة الدراهم من العرف القولی.

(یعنی مختلف کرنسیوں میں غالب کرنسی پر اعتماد عرف کی وجہ سے ہوگا) لیکن "التحریر" میں اس بات پر جزم کیا ہے کہ عادت یہ عرف عملی کو کہتے ہیں جبکہ دراھم و کرنسی میں عرفِ قولی معتبر ہوتا ہے۔ [1]

جب ثابت ہوگیا کہ یہ بیع فاسد ہے اب بیع فاسد کا حکم سنیے۔

صاحب ھدایہ علیہ الرحمہ بیان فرماتے ہیں:

ولکل واحد من المتعاقدین فسخه رفعا للفساد وهذا قبل القبض ظاهر لانه لم یفد حکمه فیکون الفسخ امتناعاً منه و کذا بعد القبض اذا کان الفساد فی صُلب العقد لقوته

اور متعاقدین میں سے ہر ایک پر بیع کو فسخ کرنا ضروری ہے تاکہ فساد ختم ہو جائے اور قبضہ سے پہلے تو ظاہر ہے کیونکہ بیع فاسد اس کی ملکیت کے حکم کا فائدہ نہیں دیتی تو فسخ بیع اس ملکیت سے روکنے والا ہوگا۔ اور اسی طرح قبضہ کے بعد فسخ بیع ضروری ہے جب فساد اپنی قوت کی وجہ سے صلب عقد میں پہنچ جائے۔ [2]

[1] البحر الرائق شرح کنز الدقائق، ج: ۵، ص ۴۷۰ مطبوعہ مکتبہ حقانیہ محلہ جنگی پشاور
[2] ھدایہ شریف، ج: ۳، ص ۶۷ مطبوعہ مکتبہ حقانیہ محلہ جنگی پشاور

شیخ الاسلام مولانا احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمۃ ''فتاوی رضویہ'' میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے بیع فاسد کے فسخ کے بارے فرماتے ہیں:

''تو بیع اور مشتری دونوں پر واجب ہے کہ توبہ کریں اور اگر موانع فسخ سے کوئی مانع نہ پایا گیا ہو تو واجب ہے کہ بیع فسخ کر دیں۔ زید زمین واپس دے اور بکر پوری قیمت پھیر دے اور اگر وہ دونوں نہ مانیں حاکم جبراً فسخ کر دے''

درمختار میں ہے:

يجب كل واحد منهما فسخه قبل القبض أو بعده ما دام المبيع بحاله في يد المشتري اعداما للفساد لانه معصية فيجب رفعها "بحر" واذا أصر أحدهما على إمساكه وعلم به القاضي فله فسخه جبراً عليهما حقا للشرع "بزازيه"

(بیع فاسد کا حکم ہے یہ کہ) فساد کو ختم کرنے کیلئے مبیع پر قبضہ سے پہلے یا قبضہ کے بعد جب تک مبیع مشتری کے پاس اپنے حال میں موجود ہے بیع فاسد کو فسخ کرنا بائع اور مشتری میں سے ہر ایک پر واجب ہے کیونکہ یہ معصیت ہے اس لیے اس کو دور کرنا واجب ہے، ''بحر''۔ اور اگر ان میں سے کوئی ایک اس کو برقرار رکھنے پر اصرار کرے اور قاضی کو اس کا علم ہو تو وہ حق شرع کے لیے ان دونوں پر جبر کرتے ہوئے فسخ کر سکتا ہے۔ بزازیہ

اس کے بعد پھر چاہیں تو آپس میں بیع صحیح کر لیں جتنے ثمن پر تراضی ہو واللہ اعلم۔ [1]

فتاوی رضویہ کے دوسرے مقام پر فتوی کا خلاصہ ہے۔

آڑھت میں مال جمع کروا کے اس کی قیمت پہلے ہی آڑھت دار سے لے لینا کہ

[1] فتاوی رضویہ، ج: ۱۷، ص: ۵۶۶، ۵۶۷ مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن

جب مال بکے گا حساب کر لیں گے حرام ہے البتہ قرض محض آڑھت دار کی مرضی سے لے سکتا ہے۔

اس سے آگے صفحہ نمبر ۱۲۷ پر فتوی کا خلاصہ ہے:

بیع آج کی اور بیع نامہ میں لکھا کہ اس کا نفاذ فلاں تاریخ سے ہو گا بیع فاسد ہو گی اور اس شرط فاسد کا یہ عمل ہوا کہ بیع فاسد و حرام ہوئی ان دونوں پر واجب ہے کہ اسے فسخ کریں۔ [1]

اب چونکہ بیع فاسد کا حکم بیان کیا جا رہا ہے تو پہلے فاسد کا یہاں مفہوم سمجھ لیجئے۔

فتاوی رضویہ میں ہے:

''اور فاسد وہ جس کی اصل حقیقت خلل سے خالی ہو مگر وصف یعنی ان متعلقات میں داخل ہو جو قوام عقد میں داخل نہیں مثلاً شروط فاسدہ اگر رکن و محل سالم از خلل ہوں تو بیع شرعی قطعاً متحقق پھر اگر وصف میں خلل ہے مثلاً مبیع مقدور التسلیم نہیں یا اجل مجہول ہے یا کوئی شرط فاسد مضموم، اصل یہ ہے کہ بیع شرع میں مبادلۃ مال بمال کا نام ہے ایجاب قبول اس کے رکن اور مال متقوم محل اور اجل و قدرت تسلیم و شرط وغیرہ اوصاف اور انتقال ملک حکم و اثر ہے بیع اپنے وجود شرعی میں صرف رکن و محل کا محتاج ہے کہ بے ان کے اس کے متحقق کی کوئی صورت نہیں)

جو خلل کہ ان میں ہو گا مبطل بیع قرار پائے گا جس کا معنیٰ یہ ہوں گے کہ عند الشرع راساً بیع ہی نہیں خلل رکن مثل بیع (عدم الوجود ہے)۔ [2]

بیع باطل اور فاسد میں فرق بیان کرتے ہوئے صاحب ہدایہ علیہ الرحمہ رقمطراز ہیں:

[1] فتاوی رضویہ، ج: ۱۷، ص: ۱۲۶، ۱۲۷ مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن

[2] فتاوی رضویہ، جلد نمبر: ۱۷، ص: ۱۴۳ مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن

وشرط أن يكون في العقد عوضان كل واحد منهما مال ليتحقق ركن البيع وهو مبادلة المال بالمال فيخرج عليه البيع بالميته والدم والحر والريح مع نفي الثمن

یعنی عقد میں دو عوضوں (مبیع اور ثمن) میں سے ہر ایک کے مال ہونے کو شرط قرار دیا گیا ہے تاکہ بیع کا رکن "مبادلۃ المال بالمال" متحقق ہو سکے لہٰذا مردار، خون، آزاد اور ہوا کے بدلے بیع اور قیمت کی نفی کے ساتھ بیع خارج ہوگئی۔

اس کے تحت فتح القدیر میں ہے:

كلها باطلة لعدم المال في العوض وقيد بنفي الثمن لانهما لو سكتا عن الثمن فلم يذكراه بنفي ولا اثبات انعقد فاسداً ويثبت الملك بالقبض موجبا للقيمة لان مطلق البيع يقتضي المعاوضة فاذا سكت عن عوضه كان عوضه قيمة وكانه باعه بقيمته فيفسد البيع.

یہ تمام بیع باطل کی اقسام ہیں کیونکہ عوض میں مال معدوم ہے اور مصنف علیہ الرحمہ نے ثمن کو نفی کی قید کے ساتھ بیان کیا کیونکہ اگر بائع و مشتری دونوں ہی ثمن کے ذکر سے خاموش رہے اور نہ ہی نفی یا اثبات میں اس کے بارے تذکرہ چھیڑا تو بیع فاسد منعقد ہوگئی اور مبیع کی ملکیت قبضے کے ساتھ ثابت ہو جائے گی جو موجودہ قیمت کو لازم قرار دے گی کیونکہ مطلق بیع وہ لین دین کا تقاضا کرتی ہے جب وہ عوض سے خاموش رہا تو اس کا عوض اس کی قیمت ہو جائے گا۔ گویا اس نے جو اس کی قیمت ہے اسکے مطابق بیع کی تو بیع فاسد ہو جائے گی۔ (اور بیع میں نفی ثمن، مطلق بیع کا وجود ثابت نہیں کرتی بلکہ "بشرط لاشئی" کے درجہ میں تخصیص کی بنا پر باطل ہے۔)[1]

[1] فتح القدیر شرح الھدایہ، ج:۶، ص ۴۲۶ مطبوعہ مکتبہ حقانیہ پشاور

پھر ذرا اس متن سے آگے صاحب عنایہ علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

أما اذا كان قبل القبض فلما تقدم أنه لم يفد الحكم فكان الفسخ امتناعاً من أن يفيد الحكم وأما اذا كان بعده فلا يخلو اما ان يكون الفساد في صلب العقد أي لمعنى في أحد البدلين كبيع درهم بدرهمين وبيع ثوب بخمر...الخ

یعنی بیع فاسد میں متعاقدین میں سے ہر ایک کیلئے بیع کے فساد کو ختم کرنے کیلئے فسخ کرنا ضروری ہے خواہ قبضہ سے پہلے ہو یا بعد میں البتہ قبضہ سے پہلے اس لیے کہ اس نے ابھی حکم ملکیت کا فائدہ نہیں دیا اس صورت میں فسخ بیع ملک حکم کے فائدہ کو روک رہا ہے اور اگر مبیع پر قبضہ کرنے کے بعد ہے تو پھر دو حال سے خالی نہیں کہ فساد "صلب عقد" میں یعنی بدلین میں سے کسی ایک میں مفہوم ہوگا جیسے ایک درہم کی دو درہموں کے بدلے بیع اور کپڑے کو شراب کے بدلے بیچنا۔

یا ایسی شرط فاسد جو زائد ہوگی جیسا کہ اس شئے کی شرط لگانا جس کے ذریعے متعاقدین میں سے کوئی ایک بھی نفع حاصل کر سکتا ہو اور نیروز و مہرجان اور س کے علاوہ کسی مخصوص دن تک بیع کو مؤخر کر دینا۔ اگر پہلی صورت (صلب عقد میں فساد والی ہے) تو طرفین علیہما الرحمہ کے نزدیک صاحب مبیع کی موجودگی میں متعاقدین میں سے ہر ایک پر بیع کو فسخ کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ فساد قوی ہوگیا ہے۔ اور امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک صاحب مبیع موجود ہو یا نہ ہو بہر صورت مبیع کو فسخ کرنا ضروری ہے۔

اور اگر دوسری صورت ہے تو قبضہ سے پہلے پہلے متعاقدین میں سے ہر ایک کیلئے فسخ کا اختیار ہے اور اگر قبضہ ہوگیا تو وہ شخص جس نے شرط لگائی تھی وہ اسے صاحب مبیع کی موجودگی میں فسخ کر دے جب تک مبیع مشتری کے قبضہ میں بغیر کسی تصرف کے موجود ہو۔ اور اگر

تصرف ہوگیا تو اس) میں تفصیل ہے۔ (حق یہی ہے کہ کمی میں نقصان پورا کرتے ہوئے اور زیادتی میں اپنا حق رکھتے ہوئے بیع فسخ کردی جائے)

(یعنی فساد صلب عقد میں ہو تو بیع کو فسخ کرنا ضروری ہے۔) [1]

"صورتِ مسئولہ میں ثمن مجہول ہیں اور ایک میعاد تک ادا کرنے کا وعدہ ہے"

فتح القدیر کی گزشتہ عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ثمن کی نفی بشرط لاشئی کے درجہ میں ہے۔ جس سے بیع باطل ہوتی ہے اور عدم تعیین ثمن میں بیع فاسد ہے۔ ویوجب الملکیۃ بعد القبض موجبا للقیمۃ یوم القبض

"فتاویٰ رضویہ" میں ثمن کی جہالت سے واقع ہونے والے فساد کے متعلق اعلیٰحضرت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"بکر نے جبکہ تعیین ثمن انقضائے مجلس بیع کے بعد کی وہ فساد بالا جماع متقرر ہوگیا۔ اب نہیں اٹھ سکتا جب تک یہ بیع فسخ نہ کی جائے۔" [2]

پھر فساد کے متقرر ہونے پر دوسرے مقام پر رقمطراز ہیں:

صُلب عقد بدلان ہیں۔ فتح القدیر میں اسی مسئلہ آجال مجہولہ میں ہے:

صلب العقد بدلان (صلبِ عقد دونوں بدل ہیں) یعنی ثمن و مبیع) یہ فساد کبھی مرتفع نہیں ہوسکتا جب تک اسی عقد ہی کو فسخ نہ کریں یہاں نفس مجلس عقد میں اصلاح بھی کارآمد نہیں جیسے ایک روپیہ دو روپے کو بیچے پھر قبل افتراق زائد روپیہ ساقط کردے عقد صحت کی طرف عود نہ کرے گا۔ [3]

---

[1] عنایہ شرح الہدایہ، ج:۶، ص:۴۲۷ علی مش فتح القدیر مطبوعہ حقانیہ پشاور

[2] فتاویٰ رضویہ، ج:۱۷، ص:۱۷۷ مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن لاہور

[3] فتاویٰ رضویہ، ج:۱۷، ص:۱۸۲ مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن لاہور

فإن قلت عبارة الفتح يقتضي ثبوت الملكية في البيع الفاسد بعد القبض وعبارة العطايا النبوية يقتضي فيه فساداً مستقراً لان الفساد وصل إلى صلب العقد، هذا تعارض ظاهر كيف التوفيق بينهما؟

قلت لاتعارض بينهما لان جهة عبارة الفتح تدل على الملكية في البيع الفاسد بعد القبض فقط وأما عبارة العطايا فيبين خباثة الفساد بعد الملكية في البيع الفاسد وأما مقتضى عبارة الفتح فبينه الفاصل البريلوي عليه الرحمة في فتاواه بأن قال "والمبيع بالبيع الفاسد بعد القبض مملوك كما في عامة الكتب نعم :يبقى خباثته في حق المشتري فالتفاسخ واجب." [1]

قال العبد الضعيف هذا الفساد تأكد بتفرق البائع والمشتري قبل الإبطال كما في الشامي هذا التوفيق والموافقة عندي والله أعلم بالصواب (المرتضائی غفرلہ)

سو معلوم ہوگیا کہ بیع فاسد میں فساد قبضہ سے پہلے تو ہوتا ہی ہے لیکن فساد متقرر ہونے کی وجہ سے فساد صلب عقد تک جا پہنچے تو پھر قبضہ کے بعد بیع توڑے بغیر فساد نہ اٹھے گا اگرچہ مال میں خباثت دونوں صورتوں میں ہے اور ایسی بیع برقرار رکھنا حرام ہے لہٰذا مسئولہ صورت میں گزشتہ عبارات کی روشنی میں یہی شرعی حکم ہے کہ کسان اور آڑھتی اس بیع کو فسخ کریں اور نئے سرے سے قیمت کا ذکر کرکے بیع کی شرائط وارکان کے ساتھ بیع کریں ورنہ اس کا رحرام میں جس طرح کسان شریک ہے اسی طرح آڑھتی بھی برابر کا شریک

---

[1] العطايا النبوية في الفتاوى الرضوية، ١١٥/١٧، مطبوعه رضا فاونديشن اللاهور

ہے۔اور خبیث مال کھانے سے حلال کا لقمہ شریعت مطہرہ کے مطابق کھانا اچھا ہے۔کوئی کتنا ہی بڑا ابزرگ ہو سب اس دین محترم کے خادم ہیں ہٹ دھرم، انانیت پر برقرار رہنے والے اور خواہ مخواہ شریعت میں اپنی رائے قائم کرنے والا خادم شریعت نہیں ہوسکتا۔ خیال رہے ہم کسی مسئلے کے شارع نہیں مُظہر ہیں۔شریعت کے کسی مسئلہ کو حقیر سمجھنا کفر ہے اور مسائل کو دلائل سے سمجھنا عین حقیقت ہے۔حق سن کر ماننا محبت اسلام کی دلیل ہے۔اللہ تعالیٰ ہمیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صدقہ شریعت مطہرہ کا خادم اور انگریزیت سے ہمہ جہت چھٹکارا عطا فرمائے۔آمین

حل:

اب رہا اس کا معاشی طریقے سے حل تو وہ اس صورت میں اس طرح ممکن ہے کہ:

نمبر1: بائع (کسان) مشتری (آڑھتی) کو گندم بطور قرض دے دے اور اس قرض کے واپس لینے کی ایک مدت معین کرلے خواہ وہی مدت معین کرلے جو گندم یا چاول وغیرہ کے ریٹ کے بارے مدت رکھی تھی۔پھر جب وہ مدت گزر جائے اور بازار کا نرخ تیز ہو جائے تو اپنا قرض واپس لے لے خیال رہے کہ اگر اس کی قیمت قرض میں واپس لے تو قرض لینے کے دن کا اعتبار ہوگا اور یقیناً وہ قیمت تھوڑی ہوگی جس پر یہ کسان رضامند نہ ہوگا تو یوں کرے کہ آڑھتی چونکہ مقروض ہے وہ اسے وہی گندم یا کوئی اور اتنی ہی اسی جنس سے گندم اس کسان کو دے دے آڑھتی کا قرض اتر جائے گا یہ کسان اس پر قبضہ کرلے پھر جو موجودہ ریٹ چل رہا ہے اس کے مطابق کسان آڑھتی کو گندم بیچ دے یہ مشقت اسے حرام سے بچنے کیلئے کرنی ہوگی۔

نمبر2: دوسرا طریقہ یہ ہے کہ کسان، آڑھتی کو اپنا وکیل بنا کر گندم دے دے کہ جب ریٹ زیادہ ہوگا بیچ دینا اور غالباً ریٹ اسی مدت میں زیادہ ہوگا جو وہ متعین کرتا تھا تو اس

وقت کیلئے اس کے پاس یہ گندم وغیرہ امانت ہوگی اور اس میں گندم، چاول وغیرہ کو نہ آگے بیچ سکتا نہ اس میں کسی قسم کا تصرف کرسکتا ہے ہاں حفاظت کیلئے کوئی طریقہ اختیار کرنا وہ مانع نہیں لیکن نرخ زیادہ کرنے کیلئے چاول وغیرہ کی صفائی، دھان کی کانٹ چھانٹ اور اسے سَیلر مِلز کے تصرفات سے گزارنا اس طریقہ میں ناجائز ہوگا۔کیونکہ وکیل بنانے کی صورت میں یہ مال امانت ہوگا۔اور اس صورت میں وکیل پر اور مال پر امانت کے قوانین جاری ہوں گے۔

چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

ومنه أنه أمين فى يده كالمودع فيضمن بما يضمن به المودع ويبرأ به

یعنی اس وکالت میں سے ایک بات یہ ہے کہ وکیل کے قبضہ میں جو ہوتا ہے وہ اس میں امین ہوتا ہے جیسا کہ ودیعت دیا ہوا شخص سو اس شیء کا ضمان دیا جائے گا جس کا ضامن ودیعت دیے ہوئے شخص کو ٹھہرایا جائے گا اور جس سے وہ اظہار برأت کرے۔[1]

شمس الائمہ ابوبکر محمد ابن احمد ابن ابوسہل سرخسی حنفی علیہ الرحمہ ''المبسوط'' میں رقمطراز ہیں:

واذا أمر الرجل رجلا ببيع عبد له ودفعه اليه فقال الوكيل: قد بعته من هذا وقبضت الثمن وهلك عندى وادعى المشترى ذلك فهو جائز والوكيل مصدق فيه مع يمينه)لانه مسلط على البيع وقبض الثمن وقد أجبر بما جعل مسلط عليه فى حال قيام تسليط ولا تتمكن التهمة فى خبره وهو أمين بما دفع اليه فاذا أخبر بأداء الأمانة

[1] فتاویٰ عالمگیری، ج:۳،ص:۵۶۷ مطبوعہ مکتبہ ماجدیہ طوغی روڈ کوئٹہ

فیہ کان القول قولہ مع یمینہ

یعنی جب کسی مرد نے دوسرے مرد کو اپنے غلام بیچنے کا حکم دیا اور اسے وہ غلام سپرد کر دیا (یہ مرد وکیل ہوگیا) پھر وکیل نے کہا میں نے اس غلام کو اتنے کا بیچا اور ثمن پر قبضہ بھی کرلیا اور وہ ثمن مجھ سے ہلاک ہو گئے ہیں مشتری نے اس کا دعویٰ کرلیا تو جائز ہے اور وکیل کی اس بارے تصدیق قسم کے ساتھ کرلی جائے گی۔ کیونکہ وکیل بیع پر مسلط تھا اور اس نے ثمن پر قبضہ کیا اور تحقیق اسے مجبور کیا گیا ہے اس شیء پر جس پر اسے تسلیط قائم ہونے کی حالت میں مسلط کیا گیا اور اسے مجبور کرنے میں تہمت ممکن نہیں ہے کیونکہ جو شئ اسے دی گئی وہ اس میں امانت دار تھا پھر جب اداء امانت کی خبر دی گئی تو بات امانت دار کی قسم کے ساتھ معتبر ہوگی۔ [1]

اور اگر تصرف کی اجازت لے لی تو یہ قرض ہو جائے گا۔ چنانچہ فتاویٰ رضویہ میں ہے۔

"ہاں چندہ دہندہ اجازت دے جائیں تو حرج نہیں اس حالت میں جب سیٹھ تصرف کرے گا روپیہ امانت سے نکل کر اس پر قرض ہو جائے گا جو عند الطلب دینا آئے گا اگرچہ کوئی میعاد مقرر کردی ہو۔" [2]

نمبر3: تیسرا طریقہ یہ ہے کہ کسان آڑھتی کو موجودہ ریٹ کے مطابق بیچ دے پھر پیسے آڑھتی پر قرض رہنے دے پھر جب وہ مدت آجائے جس کا لحاظ رکھنا چاہتا ہے تو کسان آڑھتی سے ان پیسوں کے بدلے اتنی ہی گندم خرید لے پھر اس پر قبضہ حقیقی یا حکمی کرلے پھر دوبارہ آڑھتی کو اتنے کی بیچ دے جتنا موجودہ ریٹ ہے اور وہ ریٹ اس کسان کے مرضی کے مطابق ہے۔

---

[1] المبسوط، ج:۱۹، ص:۵۶ مطبوعہ مکتبہ غفاریہ کانسی روڈ کوئٹہ

[2] فتاویٰ رضویہ، ج:۱۹، ص:۱۶۶ مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن لاہور

اس کے علاوہ بھی کئی ایک حیلوں سے اس مسئلہ کا حل موجود ہے۔ لیکن آسانی کے پیش نظر ان ہی پر اکتفاء کیا ہے۔ نیز یہ حیلے حرام کھانے کیلئے نہیں بلکہ حرام سے بچنے کیلئے اختیار کیے گئے ہیں۔ اور ایسے حیلوں کا ثبوت قرآن وحدیث میں موجود ہے۔

حضرت ایوب علیہ السلام جب ظاہری طور پر بیماری میں مبتلا تھے تو ایک دن آپ کی خدمت گزار زوجہ محترمہ دیر سے تشریف لائیں تو آپ علیہ السلام نے اماں جی علیہ الرحمہ کے دیر سے حاضر ہونے پر سو ضربیں مارنے کی قسم کھائی پھر حضرت ایوب علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے تندرستی دینے کے بعد فرمایا:۔

وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِهِ وَلَا تَحْنَثْ (ص:۴۴)

"اے ایوب اپنے ہاتھ میں ایک (سو تنکے والا) جھاڑو لے کر اس سے مار اور قسم نہ توڑ"۔

تو یہاں سو کوڑے مارنے کی قسم کو سو تنکے والے جھاڑو میں بدل کر پورا فرمانا حیلہ سے ادا کرنے کا واضح ثبوت ہے۔

اسی طرح حدیث شریف میں بھی حیلہ کا جواز موجود ہے چنانچہ: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صاحب کو خیبر پر عامل صوبہ کر کے بھیجا وہ خدمت اقدس میں عمدہ کھجوریں لے کر حاضر ہوئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا خیبر کی تمام کھجوریں ایسی ہی عمدہ ہیں۔ عرض کی نہیں، خدا کی قسم یارسول اللہ! ہم اس میں ایک صاع دو صاع کے دو صاع تین صاع کے بدلے لیتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا نہ کرو اپنی کھجوریں روپوں کے عوض بیچ کر پھر روپوں سے یہ چھوہارے خرید لو۔ (اور یہی حیلہ ہے)۔ [1]

---

[1] صحیح البخاری، ج:۱، ص ۲۹۳ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی

واللہ اعلم بالصواب وعندہ ام الکتاب

واللہ أسأل ان یعطینا علماً نافعاً و رزقاً حلالاً طیباً و شفاءً من کل داء وایمانا کاملاً وجاراً صالحاً فی الدین والدنیا والأخرۃ بحرمۃ سید الأنبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم دائماً

فقط

ضمیر احمد مرتضائی عفرلہ الباری

۳۰ صفر المظفر ۱۴۳۱ھ

بمطابق ۱۵/۰۲/۲۰۱۰ء بروز پیر

والحمدللہ علی ذلك

اس تحقیق کا نام "جہد حکم الثمن فی جہالۃ الثمن" رکھتا ہوں۔

الجواب صحیح، سوال کے مطابق تحقیق درست ہے
اللہ کریم عزوجل حبیب کریم کی کوششوں کو ثمر بار فرمائے،

نائب مفتی جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور
۱۵-۲-۲۰۱۰

الجواب صحیح
(مفتی) محمد ہاشم
دار الافتاء جامعہ نعیمیہ گڑھی شاہو لاہور
15-11-14

دار الافتاء
جامعہ نعیمیہ گڑھی شاہو

دار الافتاء جامعہ نعیمیہ

علامہ اقبال روڈ گڑھی شاہو، لاہور، پاکستان۔

کمپیوٹر نمبر: 9277/14 daruliftajamianaeemia@gmail.com تاریخ: 10/11/14

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیانِ عظام اس مسئلہ میں کہ آج کل ہمارے آڑھتی نظام میں ایک طریقہ رائج ہے کہ آڑھتیوں نے منڈیوں میں اپنے کمیشن شاپ بنائے ہوتے ہیں جس میں باہر سے آنے والے افراد اپنا مال اگر نہیں بیچنے کیلئے دیں تو وہ اس سے فی بوری یا فی کلو کے حساب سے اپنا کمیشن رکھتے ہیں مثلاً پیاز فی کلو اگر پچاس روپے کا بکتا ہے تو اس میں پینتالیس مالک کے ہوں گے اور پانچ کمیشن شاپ والے کے ہوں گے، کیا یہ رائج طریقہ جائز ہے یا نہیں؟ اگر ناجائز ہے تو اس کا کوئی جائز حل بھی موجود ہے؟

بینوا توجروا

سائل

حافظ محمد وقاص نقشبندی مرتضائی

مدرس جامعہ مرتضائیہ قلعہ شریف ضلع شیخوپورہ

❀❀❀❀❀

الجواب بعون اللہ الوھاب

صورتِ مسئولہ میں کمیشن شاپ کا اتنی ہی کمیشن رکھنا جائز ہے جتنا اس کمیشن شاپ نے اس مال پر اپنا عمل اور کام کیا ہے اور اسے مثلی اجرت کہتے ہیں۔ البتہ اس میں آڑھتی (کمیشن ایجنٹ) کا متعین کرنا کہ ہر کلو پر پانچ یا دس روپے اس کے ہوں گے یہ ناجائز اور حرام ہے چنانچہ فتاویٰ شامی میں اجارۂ فاسدہ کے تحت ''بزازیہ'' کے حوالے سے مسئلہ کو یوں بیان فرماتے ہیں:

"اجارۃ السمسار والمنادی والحمامی والصکاك وما لایقدر فیه الوقت ولا العمل تجوز لما کان للناس به حاجة ویطیب الأجر الماخوذ لو قدر أجر المثل.

یعنی آڑھتی، منادی کرنے والا، حمام کا نگہبان، تحریری معاہدہ لکھنے والا اور وہ کام جس میں وقت وعمل متعین ومقرر نہیں کیے جاتے ان کا اجارہ جائز ہے کیونکہ اس میں لوگوں کو حاجت ہوتی ہے اور جو اجرت اس میں ملے وہ اس کیلئے لینی جائز ہے بشرطیکہ مثلی اجرت مقرر کی جائے۔ [1]

اور ''تاتارخانیہ'' کے حوالے سے علامہ شامی علیہ الرحمہ رقمطراز ہیں:

وفی الدلال والسمسار یجب أجر المثل وما تواضعوا علیه أن فی کل عشرۃ دنانیر کذا فذاك حرام علیهم.

دلال اور آڑھتی کیلئے مثلی اجرت لازم ہے اور وہ اجارہ جو آڑھتی حضرت طے کر لیتے ہیں

[1] ردالمحتار علی الدر المختار، ج:۹ص:۸۷ مطبوعہ المکتبۃ الحقانیہ پشاور

کہ ہر دس دیناروں میں اتنا کمیشن ہوگا تو یہ ان پر حرام ہے۔ [1]

یہ خیال رہے کہ اجارہ کی تعریف میں یہ بات بالکل واضح ہے تملیك نفع مقصود من العین بعوض یعنی عین شئ سے مقصود منفعت کا عوض کے بدلے مالک بنانا، تو جب اجارہ میں عین شیٔ کا اجارہ ''اجارۂ فاسدہ'' کہلاتا ہے تو اس آڑھتی کا عین شیٔ سے اپنا کمیشن لینا اجرت صحیحہ نہیں بلکہ یہ اجارۂ فاسدہ ہے اور جہاں اجارۂ فاسدہ ہو وہاں مثلی اجرت لازم ہوتی ہے۔ لہٰذا آڑھتی اپنی کمیشن مثلی اجرت کی صورت میں لے سکتا ہے۔ علامہ شامی علیہ الرحمہ نے اجارہ فاسدہ کو اجارۂ صحیحہ میں بدلنے کا ایک حیلہ رقم فرمایا ہے:

وذکر هنا الإجارۃ اذا وقعت علی العین لاتصح .فلا تجوز علی استئجار الآجام والحیاض لصید السمك أورفع القصب وقطع الحطب أو سقی أرضه أو لغنمه منها و کذا اجارۃ المرعی والحیلة فی الکل أن یستأجر موضعا معلوما یعطن الماشیة یبیح الماء والمرعی، وانما یحتاج إلی إباحة ماء البئر والعین إذا أتی الشرب علی کل الماء وإلا فلا حاجة إلی الإذن اذا لم یضر بحریم البئر أو النهر. استأجر نهراً یابسا أو أرضاء أوسطحا مدۃ معلومة ولم یقل شیأً صح وله أنه یجری فیه الماء اه

''یعنی اس جگہ اجارہ کا ذکر کیا گیا کہ جب وہ عین پر واقع ہو تو وہ صحیح نہیں ہوتا سو جھاڑیوں اور مچھلیوں کے شکار پر حوض نما گڑھوں کو اجرت پر لینا یا بانسوں کو اٹھانے اور لکڑیوں کو کاٹنے کیلئے یا اپنی زمین کو سیراب کرنے کے لئے یا اس سے اپنی بکریوں

[1] فتاوی شامی، ج:۹ص:۱۰۷ مطبوعہ مکتبہ حقانیہ پشاور

کو پانی پلانے کیلئے اجرت پر لینا جائز نہیں ہے اور اسی طرح چراگاہ کو اجرت کیلئے لینا ناجائز ہے اب ان تمام اشیاء میں جواز کا حیلہ یہ ہے کہ وہ ایسی معلوم جگہ کو اجرت پر لے لے تاکہ جانوروں کو بٹھا سکے اور پانی و چراگاہ کو مباح کر سکے لیکن کنویں اور چشمے کے پانی کو مباح کرنے کی طرف محتاجی ہوتی ہے جب ہر پانی پر گھاٹ ہو ورنہ اجازت کی طرف کوئی محتاجی نہیں ہوگی اس شرط کے ساتھ کہ کنویں یا نہر کے کناروں کو نقصان نہ پہنچایا جائے۔ (معلوم جگہ کو کرائے پر اس طرح لے) خشک نہر یا زمین کو یا چھت کو معلوم مدت تک کیلئے کر' پر لے۔لے مزید کچھ نہ کہا تو یہ اجارہ صحیحہ ہے اور اس کرایہ پر لینے والے کیلئے یہ جائز ہوگا کہ اس میں پانی جاری ہو جائے (اور وہ اسے اپنے استعمال میں لے آئے)۔ [1]

فقیر کان لہ القدیر عرض گزار ہے کہ جن امور کو علامہ شامی علیہ الرحمہ نے بیان فرما کر ان میں حیلہء جواز بیان کیا یہ وہ امور ہیں جو مباحات کے قبیل سے ہیں ان اشیاء کو جو استعمال میں لائے گا وہ اس کی ملکیت میں چلے جائیں گے سو ان میں نیابت اور وکالت نہیں ہو سکتی کیونکہ مباحات میں وکیل بنانا جائز نہیں ہوتا۔

چنانچہ ''فتاویٰ قاضیخان'' میں ہے:

ولا يصح الوكالة بالمباحات كالإحتطاب والإحتشاش والإستسقاء واستخراج الجواهر من المعادن فما أصاب الوكيل شيأً من ذلك فهوله.

اور مباحات میں وکالت صحیح نہیں ہوتی جیسے جنگل کی لکڑی کاٹنا، گھاس کاٹنا، دریا یا کوئیں سے پانی بھرنا، کان سے جوہرات نکالنا جو کچھ ان سب میں حاصل ہوگا وہ سب

---

[1] ردالمحتار علی الدرالمختار، ج:۹ص ۱۰۶ مطبوعہ المکتبۃ الحقانیہ پشاور

وکیل کا ہوگا۔ [1]

اس واسطے ان امور میں مقامات اور مواضع کو اجرت پر لے کر اجارۂ فاسدہ کو ختم کرنے کا حیلہ کیا گیا ہے اور مثلی اجرت کی بجائے اپنے طے شدہ اجارۂ صحیحہ کے مطابق اجرت مقرر کرنے کو جائز ٹھہرایا گیا ہے سو آڑھت کے مال میں مقصود آڑھتی کا مال کو بیچنا ہوتا ہے کمیشن شاپ کی مخصوص جگہ کے علاوہ بھی بیچا جا سکتا ہے لٰہذا یہ مخصوص جگہ اس مال کو بیچنے میں ضرورت و حاجت کے اندر نہیں آتی جب مقصود مال بیچنا ہی رہا تو اب مال ایسی شئی ہے جس میں نیابت جاری ہو سکتی ہے۔لٰہذا ہم اس مسئولہ صورت کے مطابق آڑھتی نظام کی خرابی کا حل یوں بیان کر سکتے ہیں کہ آڑھتی کو مالک اپنے مال کا باقاعدہ وکیل بنادے اور وکالت کی اجرت متعین کر دے اور یہ اجارہ صحیحہ ہے جس میں یہ نہیں ہوگا کہ فی کلو یا فی بوری میں آڑھتی وکیل کے اتنے روپے کمیشن ہوں گے بلکہ کل مال کی وکالت کی اجرت پہلے متعین کر دی جائے گی اور یہ اجرت مثلی اجرت کے علاوہ ہے اور یہ جائز طریقہ ہے۔ چنانچہ علامہ ابن عابدین شامی علیہ الرحمہ وکالت کے الفاظ سے وکیل ہونے اور رسالت (پیغام) کے الفاظ سے رسول (پیغام رساں) ہونے کے متعلق گفتگو فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں:

ويؤيده ما في الولواجيه : دفع له ألفاً وقال : اشترلى بها أو بع أو قال اشتر بها أو بع ولم يقل "لى" كان تو كيلا و كذا اشتر بهذا الألف جارية وأشار الى مال نفسه ولو قال اشتر هذه الجارية بألف درهم كان

---

[1] (i) فتاویٰ قاضیخان، ج:۳ کتاب الوکالۃ فصل فیما یکون بہ وکیلا ومالا یکون، ص: ۱۴۷ مطبوعہ المکتبۃ الحقانیہ پشاور

(ii) شلبی علی تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق، ج:۴، ص: ۲۵۷ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان

(iii) فتاویٰ عالمگیری، ج:۳، ص: ۵۶۴ مطبوعہ مکتبہ ماجدیہ طوغی روڈ کوئٹہ

مشورۃ والشراء للمامور إلا اذا زاد علی أن أعطیك لأجل شرائك درهما لأن اشتراط الأجر له یدل علی الإنابة اه وأفاد أنه لیس کل أمر توکیلا بل لابد مما یفید کون فعل المامور بطریق النیابة عن الآمر فلیحفظ اه

یعنی بیان کردہ کی تائید وہ عبارت کرتی ہے جو فتاویٰ ولوالجیہ میں ہے کہ مالک نے کسی شخص کو ہزار دیا اور کہا اس ہزار کے بدلے میرے لیے خرید یا بیچ یا کہا اس ہزار کے بدلے خرید یا بیچ۔ "میرے لیے" نہ کہا تو یہ توکیل ہو جائے گی اور اسی طرح اس ہزار کے بدلے لونڈی خرید اور اشارہ اپنے مال کی طرف کیا اور اگر کہا: اس لونڈی کو ہزار درہم کے بدلے خرید تو یہ مشہور ہوگا اور جس کو حکم دیا گیا اس کیلئے خریدنا ہوگا مگر یہ کہ جب وہ اس صورت میں یہ الفاظ زیادہ کردے کہ اس شرط پر کہ میں تجھے تیرے خریدنے کی وجہ سے ایک درہم دوں گا کیونکہ اس کیلئے اجرت کی شرط نائب بنانے پر دلالت کرتی ہے۔ اور اس عبارت نے یہ فائدہ دیا کہ "ہر حکم وکیل نہیں بناتا بلکہ ضروری ہے کہ وہ حکم ان امور میں سے ہو جو مامور (حکم دیے گئے شخص) کے فعل کو حکم دینے والے کی طرف سے بطریق نیابت امر کا فائدہ دے۔" سو اس فائدہ کو محفوظ کرلے۔ [1]

اس عبارت سے معلوم ہوگیا کہ جب بطریق نیابت مالک آڑھتی کو مال بیچنے کا حکم دے گا تو وہ مالک کا وکیل ہو جائے گا اور اگر باقاعدہ لفظ وکالت سے وکیل بنایا جائے تو اس مسئلہ میں آڑھتی بطریق اولیٰ وکیل بن جائے گا اور وکیل کو مثلی اجرت سے ہٹ کر متعین اجرت لازم ہوگا۔

---

[1] (i) فتاویٰ شامی، ج:۸، ص:۲۷۴ مطبوعہ المکتبۃ الحقانیہ پشاور
(ii) بحر الرائق شرح کنز الدقائق، ج:۷، ص:۲۳ مطبوعہ المکتبۃ الحقانیہ پشاور

"تکملہ شامی" میں علامہ محمد علاؤ الدین ابن محمد امین آفندی علیہما الرحمہ فرماتے ہیں:

ویستفاد هذا من قول الشارح "لكونه متبرعاً" قبل الاستثناء فافهم أنه اذا كان بأجر ولذا قال بيري زاده في حاشيته أما اذا كان بأجر كالدلال والسمسار والبياع يجبر على استيفاء الثمن (الى أن قال) وفي شرح المجمع لابن أبي الضياء بعد كلام وأما الذي يبيع بالأجر كالبياع والسمسار فيجعل كاجارة صحيحة بحكم العادة ويجبر على التقاضي والاستيفاء لأنه وصل اليه بدل عمله كالمضارب اذا كان ربح يجبر على التقاضي واستيفاء الثمن

یعنی شارح علامہ حصکفی کے قول "کہ وکالت ایک متبرع امر ہے" جو استثناء سے پہلے ہے اس سے ایک بات سمجھ آتی ہے اسے سمجھنا چاہیے کہ جب وکالت اجرت کے بدل ہو تو مؤکل کو اجرت دینے پر مجبور کیا جائے گا اسی وجہ سے "بیری زادہ" نے اپنے حاشیہ میں فرمایا کہ جب وکالت اجرت کے بدلے ہو تو وہ دلال، آڑھتی اور خرید و فروخت پر اجرت لینے والوں کی طرح ہوگا پورے ثمن ادا کرنے پر اسے مجبور کیا جائے گا۔

ابن ابوضیاء کی "شرح المجمع" میں اس مسئلہ پر کچھ کلام کرنے کے بعد لکھا ہے "اور وہ جو اجرت کے بدلے خرید و فروخت کرتے ہیں جیسا کہ بیع و شراء کرنے والے اور آڑھتی حضرات سواے عرف و عادت کے مطابق اجارہ صحیحہ کی طرح بنا دیا جائے گا اور اجرت پر کام کرنے والے کو اجرت ادا کرنے اور طے کردہ پورے ثمن دینے پر مجبور کیا جائے گا کیونکہ اجرت پر کام کرنے والے کے عمل کا بدلہ اجرت پر لینے والے کی طرف پہنچتا ہے۔ جیسا کہ مضارب جب نفع پہنچ جائے۔ تو مالک کو پیسے ادا کرنے اور طے شدہ پورے ثمن

دینے پر مجبور کیا جائے گا۔ [1]

سوان عبارات کا خلاصہ یہ نکلا کہ وکالت بنیادی طور پر ایک امر متبرع ہے جس پر اجرت نہیں ہوتی اگر اس پر اجرت مقرر کرلی تو یہ جائز ہے بلکہ مؤکل سے اس کی اجرت دلوانے پر جبر کیا جائے گا۔ نیز اس عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دلال اور آڑھتی حضرات کی اجرت مقرر کردی جائے تو یہ اجارۂ صحیحہ ہے چونکہ آڑھتی کی کمیشن اجارئہ فاسدہ تھی جس کی صورت گزشتہ بیان ہوئی تو وہاں فاسد اجرت کی وجہ سے جائز طریقہ کو اختیار کرتے ہوئے مثلی اجرت رکھی گئی تھی جبکہ ان عبارات میں بیان کردہ صورت کے اندر شروع سے ہی اجرت مقرر کرکے اجارۂ صحیحہ کا حکم بیان کیا گیا ہے اور مکمل کام پر اجرت بتادی گئی ہے اور اگر آڑھتی اور دلال کو وکیل بنالیا جائے تو اجارۂ صحیحہ کی صورت کی طرح ایک صورت بن جائے گی۔

نمبر ۲

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ آڑھتی اس مال لانے والے مالک کے ساتھ بطریق مضاربت شرکت کرلے اور مضاربت میں ایک شخص کا مال ہوتا ہے اور دوسرے شخص کی محنت وفن ہوتا ہے پھر نفع میں برابر برابر یا طے کردہ کے مطابق دونوں شریک ہوجاتے ہیں۔ اب منڈیوں میں مال بیچنا بھی ایک خاص فن ہوتا ہے اور اس کیلئے مخصوص اڈا کا ہونا لوگوں کی توجہ کو زیادہ مبذول کرتا ہے تو یہ مال کی خرید وفروخت میں ایک مؤثر ذریعہ ہے جسے حاجت اہل الناس کیلئے خرید وفروخت کا ایک حصہ بنادیا گیا ہے لہٰذا عقدِ مضاربت کے مطابق آڑھتی اور مالک دونوں خرید وفروخت سے حاصل شدہ نفع کی شرح مقرر کرلیں کہ 50٪ فیصد نفع ہوا تو یہ نفع ہم دونوں کے درمیان ۴/۱ کے حساب سے تقسیم ہوگا یعنی ۴/۱ آڑھتی کو اور بقیہ تین حصے مالکِ مال کو ملیں گے اور اگر نفع

[1] قرۃ عیون الأخیار علی الدر المختار، ج:۱۱، ص: ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴ مطبوعہ مکتبہ حقانیہ پشاور

75٪ فیصد ہوا تو یہ نفع ہم دونوں کے درمیان ۳/۱ کے حساب سے تقسیم ہوگا ایک حصہ آڑھتی کا اور بقیہ دو حصے مالکِ مال کو ملیں گے علیٰ ہذا القیاس اسی حساب سے کوئی بھی نفع کا طریقہ وضع کیا جاسکتا ہے لیکن اس میں بھی یہ جائز نہیں ہوگا کہ عقد مضاربت تو کل مال یا نصف مال پر واقع ہوا لیکن آڑھتی فی کلو یا فی بوری کے حساب سے نفع حاصل کرنا شروع کردے کیونکہ مالک کا مقصد تمام مال یا نصف مال کی صورت میں اسی حساب سے مال کا نفع ہوتا ہے اس سے کم نہیں۔

آڑھتی نظام میں ایک خرابی یہ بھی ہوتی ہے کہ آڑھتی (کمیشن ایجنٹ) جب اپنے منشی کو سودے کی بولی لگانے کے لیے بھیجتا ہے تو منڈی میں اس منشی کے ساتھ آپ دیکھیں گے کہ ایک شخص گلے میں تھیلا نما کپڑا باندھے اس منشی کے ساتھ گھوم رہا ہوتا ہے۔ چونکہ آڑھتی خود اور سبزی، فروٹ کا مالک آڑھت میں بیٹھے ہوتے ہیں اور مالک کا سامان باہر منشی کی سپرداری ہوتا ہے۔ جب منشی بولی شروع کرتا ہے لوگ ارد گرد سے بولی لگا کر جب فارغ ہوتے ہیں تو منشی صاحب خریدار کا نام اپنے ہاتھ میں تھامے کاغذ پر لکھ کر جونہی آگے بڑھتا ہے تو اس بیچے ہوئے سامان سے کچھ عمدہ دانے فروٹ یا سبزی کے اٹھا کر اس تھیلے والے شخص کے تھیلے میں ڈال دیتا ہے۔ سامان خریدنے والا بقیہ سامان کو اٹھاتا ہے اور پیسے آڑھتی کو ادا کردیتا ہے۔ ادھر منشی صاحب اور تھیلے والے صاحب اسی طریقے کے مطابق پانچ دس بولیاں لگا کر جب آڑھتی کے پاس واپس پلٹتے ہیں تو تھیلا خوب بھرا ہوتا ہے پھر اس تھیلے والے پھل کو منشی، آڑھتی اور تھیلے والے کے درمیان تقسیم کیا جاتا ہے۔ کبھی وہ پھل، سبزی اس قدر بھی زیادہ ہوجاتی ہے کہ اس کی بھی بولی لگا کر پیسے آپس میں تقسیم کردیے جاتے ہیں۔ آڑھتی لوگ اس تھیلے میں ڈالے جانے والے پھل اور سبزی کو ’’ڈالی‘‘ کا نام دیتے ہیں۔

اس صورت کے بارے حکم شرعی یہ ہے کہ ایسا کرنا ناجائز ہے کیونکہ جو "ڈالی" یہ حضرات اٹھاتے ہیں تو اس کے عوض کچھ بھی ادا نہیں کرتے جبکہ مالک آڑھتی حضرات کو اپنا مال کسی عوض کے حصول کے لیے دیتا ہے محض کمیشن مقرر کرنا چونکہ جائز نہیں جب تک اسے اجارہ یا مضاربت میں نہ ڈھالا جائے ۔سو اجارہ یا مضاربت وہ الگ سے مقرر ہوتا ہے اسی مال سے بغیر عوض کے کمیشن کی صورت میں نہیں ہوتا۔لہٰذا یہ مال لینا ناجائز ہے اور امانت میں بے جا تصرف کرنا ہے، جو جائز نہیں ہے۔

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ ذات ہمیں لقمہ حلال کھانے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ۔

واللہ اعلم بالصواب

فقط

ضمیر احمد مرتضائی غفرلہ الباری

شعبہ دار الافتاء جامعہ نعیمیہ گڑھی شاہو لاہور

3-11-2014

بمطابق ۱۰ محرم الحرام ۱۴۳۶ھ یوم الثلاثاء

کلمات دعائیہ

آخر میں بندہ اپنے والدین، اساتذہ ومشائخ کے لیے دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو صحت اور خاتمہ بالایمان کی دولت عطا فرمائے۔

خصوصاً میرے پیارے ماموں جان

استاذ العلماء فضیلۃ الشیخ

صاحبزادہ **میاں خلیل احمد مرتضائی** حفظہ اللہ تعالیٰ

(صدر مدرس ومہتمم جامعہ مرتضائیہ قلعہ شریف ضلع شیخوپورہ)

کو اللہ تعالیٰ صحت کاملہ عطا فرمائے

اور

اُن کا سایہ تادیر ہم پر قائم رکھے۔

آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ

طالب دعا

ابو الحسن محمد

الشہیر

ضمیر احمد مرتضائی غفرلہ الباری

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝ (المومنون)

ترجمہ: "یقیناً ایمان والے کامیاب ہوئے جو اپنی نمازوں میں عاجزی (اور اطمینان قلبی سے عبادت) کرتے ہیں۔"

دورانِ نماز موبائل فون بند کرنے اور موبائل فون سے متعلق

کئی ایک نت نئے مسائل پر عمدہ تحقیق

موسوم بہ

موبائل فون اور شرعی مسائل و دلائل

قرآن وحدیث اور مفسرین کرام وفقہاء عظام کے اقوال و دلائل کی روشنی میں نماز میں موبائل فون بند کرنے کے بارے "عمل کثیر" پر اعلیٰ تحقیق کا بیان اور اس کے ساتھ ساتھ موبائل فون سے نکاح وطلاق کے مسائل، وقف بجلی سے موبائل فون چارج کرنے کے مسائل، ایڈوانس لوڈ کے جواز اور کئی ایک فوائد پر مشتمل جامع تحقیق

از قلم

استاذ العلماء **مفتی ضمیر احمد مرتضائی** حفظہ اللہ تعالیٰ

فاضل جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

متخصص فی الفقہ الاسلامی جامعہ نعیمیہ گڑھی شاہو، لاہور

مسلم کتابوی

دربار مارکیٹ، گنج بخش روڈ، لاہور 042-37225605

Email:muslimkitabevi@gmail.com